سلسلہ انجمن ترقی اردو

نمبر ۴

رہنمایانِ ہند

حصۂ اول

یعنی

ہند کے رہنما سری کرشن و سدھارتھ گوتم بدھ کی جامع و مقدس سوانح عمری اور فلسفہ آموز تعلیمات نیز دیگر رہنما شنکر اچارج - رامانج - رامانند - گورکھ ناتھ و کبیر کے مختصر تذکرات و تلقینات اور رامانند کے سہرا وہ مرید شعراے باکمال نادابی - سورداس - تلسی داس و جے دیو کے حالات

جسکو

بابو نارائن پرشاد ورما مہر تخلص مترجم دفتر جناب صاحب انسپکٹر جنرل بہادر محکمۂ تعلیم ریاست گوالیار

نے

انگریزی رسالہ موسومہ بہ پراغلس آف انڈیا مولفہ جناب بابو صاحب منمتھ ناتھ دت ایم - اے - ایم - آر - اے - ایس رکٹر کیشب اکیڈمی کلکتہ سے اُردو میں ترجمہ کیا

اور

خان صاحب بیرولایت حسین صاحب آنریری منیجر بکڈپو مدرستہ العلوم علیگڈھ نے باضافۂ تالیف

بار سوم

مطبع ریاض ہند علی گڈھ میں طبع کرایا

۱۹۱۲ء

تعداد طبع ۵۰۰ — جملہ حقوق محفوظ ہیں — قیمت فی جلد

سلسلہ انجمن ترقی اُردو

اس سلسلہ میں تین قسم کی کتابیں شامل ہونگی

۱- وہ کتابیں جو انجمن اپنے اہتمام اور نگرانی میں ترجمہ یا تالیف کرائے۔

۲- وہ کتابیں جو مصنفین بطور خود تصنیف یا تالیف فرمائیں لیکن انجمن مذکور اُن کو پسند کرے اور مصنف کو صلہ یا انعام دیکر اپنی طرف سے شائع کرائے۔

۳- وہ کتابیں جو نہ انجمن کی مجوزہ ہوں نہ انجمن اُنکے لئے کوئی صلہ دے لیکن مصنف کی درخواست پر اُن کی عمدگی و خوبی کی تصدیق کیلئے اپنے سلسلہ میں داخل کرے۔

ایسی کتابیں مصنف کے خرچ سے شائع ہونگی۔

اطلاع - انجمن کی کتابیں ذیل کے پتہ سے مل سکتی ہیں۔

آنریری منیجر صاحب بک ڈپو مدرسۃ العلوم علی گڈھ



مقدمہ

محققین فلسفہ نے عالم محسوسات میں دنیا کے تمام کاروبار کا چلانے والا اور رنج و راحت کا ذائقہ چکھانے والا خیال ہی کو مانا ہے۔ اُن کا یہ قول کہ "تمام کاموں کی بنا محض خیال پر ہے" آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ خیال ہی کو طبیعتوں کا حاکم سمجھکر دنیا کے زبردست فلسفیوں اور اعلیٰ رہنماؤں نے سرگرم اور جانفشاں کوششوں میں اکثر جانبازوں کی طرح اپنی انمول جانیں صرف اس لئے قربان کی ہیں کہ انسانوں میں تقدس کے خیالات پھیلا کر اُنھیں پاک اور سخت فرائض کا ادا کرنا سکھائیں۔

ہند کے بہت بڑے فلسفی اور سچے رہنما سری کرشن بھگوان کی سوانح عمری پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ جس وقت آپ کے پیارے دوست ارجن نے کُرک شیتر کی جنگ عظیم میں شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھانے سے جو اُس کا خاص فرض تھا گریز کیا اور انسانی کمزوری نے اُسے بزدل بنا دیا تو آپ نے وہی کیا جو کہ کرنا واجب تھا۔ عین میدان کارزار میں جو نبرد آزماؤں کے جوشنوں کی جھنکار۔ گھوڑوں کے سُموں کی

آواز، جنگی اسلحہ کی چقا چاق اور ہاتھیوں کی چنگھاڑ سے عرصۂ قیامت کا نمونہ بنا ہوا تھا آپ نے کیسے مذہب کا ایک نہایت اعلیٰ طریقہ تلقین کرکے فرائض کی جیتی جاگتی تصویر سامنے کھڑی کر دی۔

وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ عالم ایجاد میں خیال کے بغیر کسی فعل کی تخلیق ممکن نہیں اور کسی کام میں اعلیٰ درجہ کی کوشش کرنے کے لئے ویسی ہی عالی دماغی اور بلند خیالی کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر آپ نے ایسے لاثانی ملکوتی خیالات ظاہر فرمائے جن کی نظیر گزشتہ چھ ہزار برس میں صفحۂ روزگار پر کہیں نہیں ملتی۔ سری کرشن میں انسانوں کو سچے اور نیک کاموں کی طرف راغب کرنے کی قدرت بوجہ اکمل موجود تھی۔ پس اُنھیں اعلیٰ درجہ کا تجربہ کار اور باعمل روحانی فلاسفر کہنا بجا ہے۔

میری رائے میں ہندوستان کے مصلحانِ دین کے لئے یہ مناسب ہوگا کہ وہ مذہبی اصلاح کے کوچہ میں اس روحانی فلاسفر سری کرشن بھگوان کے نقشِ قدم پر چلیں۔ اسی خیال نے مجھے یہ تحریک کی کہ ہندو مذہب کے تصوف اور معرفت کے اعلیٰ خیالات کو اپنے ہم ملکوں کے اس طبقہ میں پھیلانے کی تھوڑی بہت کوشش کروں جو سنسکرت علوم سے محض بے بہرہ ہے اور اُردو کے سوا اور کوئی زبان جانتا ہی نہیں ہندوستان میں جب سے اُردو نے رواج پایا ہے پاک زبان سنسکرت اور اُن فرقوں کے لوگوں میں بہت اجنبیت پیدا ہوگئی ہے جن کی مادری زبان اب فارسی یا اُردو ہے۔ اس لئے یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ بابو متھرا ناتھ صاحب دت۔ ایم۔ اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس سیکرٹری تھیاسوفیکل سوسائٹی

ایکاڈمی کلکتہ کی لاجواب کتاب "پرافٹس آف انڈیا" کو اردو میں ترجمہ کرکے اُردو دانوں کی خدمت میں پیش کروں۔ میں چونکہ سنسکرت زبان سے ناآشنا ہوں۔ مجھے اسکے سوا اور کیا چارہ تھا کہ ہند کے اعلیٰ رہنماؤں کی سوانح عمریاں و تعلیمات انگریزی زبان سے ترجمہ کروں۔

یقیناً بہت زیادہ قدر کے مستحق ہمارے قابل مصنف بابو صاحب ہیں جنھوں نے زمانہ کے بعض شناس متقدمین اور متاخرین ہندی مذہبی فلاسفر یا رہنماؤں کے تذکرے اور خیالات انگریزی میں تحریر فرما کر بنی نوع انسان کو غیر مترقبہ نعمت بخشی ہے۔ میں معزز اور با وقار علامہ مصنف کا تہ دل سے ممنون ہوں جنھوں نے میری درخواست کو قبول کی عزت دی اور مجھے اپنی کتاب کا ترجمہ اردو میں شائع کرنے کی اجازت بڑی کشادہ پیشانی سے عنایت فرمائی۔

فی الحال میں "رہنمایان ہند" کا پہلا حصہ اس امید پر قدردان اور دقیقہ رس ناظرین کی نذر کرتا ہوں کہ اسے حرف گیری سے امن ملیگا اور لطف و عنایت سے قبول عام کا خلعت عطا ہوگا۔ اگر اُردو خوانوں کی جماعت پر صوفیہ خیالات کا رنگ ڈالنے اور انھیں پاک و باخدا بنانے میں یہ میرے مساعی مشکور ہوئے تو میں سمجھونگا کہ میری محنت وصول ہوگئی اور دوسرے حصہ کے ترجمہ کے لئے بھی میرا حوصلہ بہت بڑھ جائیگا۔

نارائن پرشاد ورما

مترجم رہنمایان ہند

تمہید

قوموں کے تاریخی حالات جو کتب تاریخ میں نظر آتے ہیں اُن سے بخوبی ثابت ہے کہ ہندوؤں کا مذہب سب سے زیادہ قدیم ہے۔ جس زمانے میں مصر۔ یونان۔ اور روم کے مذاہب کی بنا بھی نہ پڑی تھی اور اہل دنیا کے کان اُن سے آشنا بھی نہ تھے اس مذہب کی عمارت کبھی کی تیار ہو چکی تھی۔

یہی نہیں بلکہ ہندو مذہب کل شایستہ قوموں کے مذہبوں سے نہایت نادر اور عجیب و غریب مذہب ظاہر ہو چکا اور ہے۔ یہ مذہب مصر۔ یونان۔ اور روم کے پُرانے مذہبوں سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا اور نئے مذاہب نصارےٰ و اسلام سے بھی مشابہ نہیں ہے۔ یہ کوئی ایک مذہب نہیں ہے۔ نہ اِس کی عمارت کی طرز تعمیر ایک وضع پر ہے۔ اِس مذہب کو ایک مشرقی طرز کے نہایت خوشنما۔ عظیم الشان اور وسیع محل سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو دُور سے صرف ایک حیرت انگیز عمارت نظر آتی ہے اور قریب جا کر بغور دیکھنے سے منزل پر منزل چنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

ہم ہی نہیں کہتے آپ بھی غور اور انصاف کی نظر سے دیکھیں گے تو صاف یہی

کہدینگے کہ ہندو مذہب ایک مذہب نہیں ہی بلکہ مذاہب کا مجموعہ ہی جس میں کل مذہبوں کو جمع کرکے اُن کی مختلف خاصیتوں کے موافق اسے ترتیب دی گئی ہی۔ لفظ مذہب سے عموماً کسی خاص فرقہ کا ایک علم آلہی اور ایک تاریخ رب النوع مراد ہوتی ہی۔ مگر ہندو مذہب سے ایک علم آلہی یا ایک تاریخ رب النوع (دیومالا) نہ سمجھنا چاہئے۔ یہ ہر چیز میں غیر محدود ہی۔ جس قدر اس مذہب کا علم آلہی وسیع ہی اُسی قدر اُس کی تاریخ رب النوع مبسوط ہی۔ اور جتنے اسکے دیوی اور دیوتا ہیں اتنے ہی اس کے شاستر کثیر التعداد ہیں۔

تو کیا مذہب ہنود جس پر ہندوؤں کو بہت بڑا ناز ہی صرف باطل عقائد کا مجموعہ اور کفر و بت پرستی کا ذخیرہ ہی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ نہ اس میں باطل عقائد ہیں۔ نہ کفر و بت پرستی کا ذکر ہی۔ یہ ایک ایسا اعلیٰ اور افضل مذہب ہی کہ جب تک مدتوں اس کے نکات اور عظمت دریافت کرنے کے لئے بہت بڑی جانفشانی اور عرق ریزی نہ کی جائے اُن کا سمجھ میں آنا محال ہی۔

یہاں ہم اپنے بیان کی تائید میں ایک نہایت عمدہ ایڈریس درج کرتے ہیں جو چکاگو کی مذہبی پارلیمنٹ کے روبرو پڑھا گیا تھا۔ یہ مذہب ہنود کا سچا فوٹو ہی اور ایسے شخص کا کھینچا ہوا ہی جس نے اہل ہند کے شاستروں ہی کو کئی بار تمام و کمال نہیں پڑھا ہی بلکہ بزرگان دین اور بڑے بڑے مقدس رشیوں کے مذہب سے بھی اعلیٰ درجہ کی واقفیت حاصل کی ہی۔

ایڈریس

اہل ہند کو آسمانی وحی یعنی مقدس ویدوں کے ذریعہ سے مذہب پہنچا ہی۔ اُن کا یہ عقیدہ ہی کہ ویدوں کی ابتدا اور انتہا نہیں ہی۔ شاید ناظرین اس بات پر ہنسیں گے کہ کوئی کتاب بغیر آغاز اور خاتمہ کے کیونکر ہو سکتی ہی۔ مگر دراصل ویدوں سے کتابیں مراد نہیں ہیں۔ وید اُن روحانی قوانین کا مجموعہ ہیں جو مختلف زمانوں میں مختلف اشخاص نے دریافت کئے تھے جس طرح قوانین کشش ارضی معلوم ہونے سے پہلے بھی موجود تھے اور اگر اب ہم اُن کو بھول جائیں تب بھی اُن کا وجود قائم رہیگا۔ یہی حال اُن قوانین کا ہی جنسے روحانی دنیا کا نظم و نسق وابستہ ہی۔ ارواح و افراد ارواح اور مالک کل ارواح میں جو اخلاقی اور روحانی تعلقات ہیں وہ معلومات سے پیشتر بھی تھے اور ہم اُن کو بھول جائیں تو بھی باقی رہیں گے۔ ان قوانین کے تدوین کرنے والے رشی تھے۔ ہم اُنکو کاملین سمجھ کر اُن کی عزت کرتے ہیں اور ناظرین کی خدمت میں اس بات کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے مدوّنان قوانین روحانی میں چند عورتیں بھی تھیں۔

یہاں یہ کہہ سکتے ہیں ممکن ہی کہ قوانین کی انتہا نہو لیکن ابتدا ضرور ہوگی۔ مگر مقدس ویدوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہی کہ خلقت کی ابتدا یا انتہا نہیں ہی۔ اور علم حکمت سے بھی ثابت ہی کہ پیدائش عالم ہر زمانہ میں یکساں ہوتی ہی۔ اگر کوئی ایسا زمانہ بھی گزرا ہی جس وقت کسی شے کا وجود نہ تھا تو اُس وقت یہ مسلمہ قوت موجودہ کہاں تھی بعض کہتے ہیں

وہ اُس وقت بصورت اختیاری خدا کے امکان میں تھی۔ تو کیا بعض اوقات خدا کی ذات ارادی ہے۔ اور بعض اوقات متحرک یعنی غیر مستقل؟ مگر ہر غیر مستقل شے مرکب اور ہر مرکب چیز فنا پذیر ہوتی ہے۔ پس خدا کی ذات فانی ہے۔ توبہ توبہ۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ کوئی زمانہ موجودات سے خالی نہ تھا۔ اب ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ خالق اور مخلوق دو غیر محدود متوازی خطوط ہیں۔ خدا خلاق عالم ہے۔ اُسکی قدرت کاملہ نے مادہ ہیولانی سے اشیاء کو ترتیب دیکر متواتر پیدا کیا۔ اور پھر معدوم کر دیا۔ یہی ہندوؤں کے لڑکے ہر روز اپنے گرو سے پڑھتے ہیں "خدا نے چاند اور سورج دوسرے چاند اور سورج کے بعد پیدا کئے ہیں۔

ہم آنکھیں بند کر کے اپنی ہستی کا تصور کریں تو ہم کو ایک جسم کی خیالی شکل نظر آئیگی معلوم ہوگا کہ ہمارا جسم مادہ اور اشیاء مادی سے مرکب ہے۔ مگر مقدس ویدوں سے ظاہر ہے کہ ہم جسم نہیں ہیں بلکہ جسم میں روح ہیں۔ جسم فانی ہے ہم فانی نہیں ہیں۔ اِسوقت ہم اس جسم میں ہیں۔ جب یہ فنا ہو جائے گا تب بھی ہم زندہ رہیں گے اور اسی طرح ہم پہلے بھی کسی جسم میں تھے۔ روح کسی چیز سے پیدا نہیں کی گئی ہے۔ کیونکہ خلقت کیلئے ترکیب اور ہر مرکب کے لئے تفرید لابدی ہے۔ اور روح منفرد محض ہے۔ اگر روح مخلوق ہوتی تو وہ فنا بھی ہوتی۔ پس ثابت ہو گیا کہ روح غیر حادث ہے۔ بعض شخص خوش قسمت پیدا ہوتے ہیں صحت و تندرستی۔ حسن صورت و حسن سیرت کا حظ اُٹھاتے اور جملہ نعمتیں اپنے لئے مہیا پاتے ہیں۔ بعض بدنصیب چند بدست و پا اور کچھ مخبوط الحواس پیدا ہوتے ہیں۔ تمام مصیبتیں

جھیلتے اور دُکھ بھرتے ہیں پس جب کل مخلوق پیدا کئے گئے ہیں تو خدائے عادل و رحیم ایک کو خوش نصیب اور دوسرے کو بدنصیب کیوں پیدا کرتا ہے؟ اُس کے مزاج میں اسقدر رعایت اور طرفداری کیوں ہے؟ اسی طرح یہ خیال بھی قابل تسلیم نہیں ہے کہ جو اس جنم میں بد قسمت ہیں اگلے جنم میں خوش قسمت ہو جائیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ خدائے عادل اور غفور الرحیم کی سلطنتِ عدل میں کوئی شخص بدنصیب پیدا ہی کیوں ہو۔ اس کا نتیجہ یہی نکلیگا کہ قادر مطلق کا یہ فعل (نعوذ باللہ) ظالمانہ اور خلاف حکمت ہے۔ اس لئے انسان کی پیدائش سے قبل اس کی خوش قسمتی یا بدنصیبی کے کچھ اسباب جو اُس کے پچھلے جنم کے اعمال ہی ہوسکتے ہیں ضرور ہوں گے جس طرح انسان کی طبیعت کا میلان اور اُس کی جسمانی حالت فطری طور پر اپنے والدین کی قابلیت اور رجحان طبع کے مطابق ہوتی ہے اسی طرح وہ اپنے پچھلے جنم کے اعمال کے موافق اس دنیا میں خوش قسمت یا بدنصیب پیدا ہوتا ہے۔ دنیا میں ہستی کے دو متوازی خطوط ہیں۔ ایک دل دوسرا مادہ۔ اگر مادہ اور اُس کی تبدیلی ہیئت سے کل موجودات دنیا کی پیدائش ممکن ہو تو روح کا وجود فرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ خیال مادہ سے نکلا ہے کیونکہ اگر ہم فلسفیانہ طور پر تحقیقات کریں تو صرف ایک ہی شے کا وجود ثابت ہوگا۔ روح کا یا مادہ کا۔ مگر ان دونوں سے روح کا وجود ماننا نہایت ضروری اور ناگزیر ہے۔

اس بات سے تو ہم انکار نہیں کرسکتے کہ انسان کا اکثر میلان طبع کسی طرف مورد ہوتا ہے۔ مگر یہ میلان صرف دنیوی شکل میں مراد لیا گیا ہے جس سے خاص طبائع خاص طور کے

کام کر سکتے ہیں اور روح میں اس خاص قسم کے میلان یا خاصہ کے پائے جانیکا سبب اُس کے پچھلے جنم کے اعمال ہیں۔ کیمیائی ترکیب کے مطابق روح کسی خاص میلان کے ساتھ کسی ایسے جسم میں پیدا ہوتی ہے جو اُس میلان کے لئے مناسب اور موزوں آلہ کا کام دیتا ہے۔ یہ اصول حکمت کے بالکل مطابق ہے۔ علم حکمت میں ہر شے کی تشریح عادت سے کی جاتی ہے۔ اور عادت عادہ یعنی ردّ و بدل سے پیدا ہوتی ہے پس یہ ردّ و بدل بھی نئی پیدا ہوئی روح کی فطری عادات کی تشریح کے لئے لابدی ہے۔ اور یہ قدرتی عادتیں موجودہ زندگی میں پیدا نہیں ہوئیں لہذا وہ گزشتہ زندگیوں سے ضرور روح کے ساتھ آئی ہونگی۔

ہندؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان روح ہے جس کو نہ تلوار کاٹ سکتی ہے۔ نہ خاک و باد۔ آب و آتش کا کچھ اثر ہو سکتا ہے۔ روح ایک دائرہ ہے جس کا خط محیط معدوم ہے مگر اُس کا مرکز جسم کے اندر ہے اور اسی مرکز کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں نقل کرنا موت ہے روح اوصاف مادہ سے محدود نہیں ہے۔ وہ بذاتہ غیر محدود و پاک۔ خالص اور کامل ہے۔ مگر کسی نہ کسی سبب سے مادہ سے محدود ہو گئی ہے اور اپنے آپ کو مادی تصور کرتی ہے۔

یہ تو ثابت ہو گیا کہ انسانی روح ابدی۔ غیر فانی۔ کامل اور غیر محدود ہے۔ موت سے صرف مرکز روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں تبدیل ہونا مراد ہے۔ نیز حیات موجودہ کے حالات گزشتہ زندگی کے اعمال سے معلوم ہوتے ہیں اور حیات آیندہ کے کوائف زندگی حال سے مفہوم ہوں گے۔ یونہیں یہ سلسلہ تناسخ حیات سے حیات اور ممات سے ممات تک جاری رہیگا اور اس میں روح کو ترقی یا تنزل ہوتا رہیگا۔ مگر یہاں چند اوسوالات

پیدا ہوتے ہیں۔ کیا انسان ایک چھوٹی کشتی کے ہے جو طوفانی دریا میں موجوں کے مد و جزر سے کبھی اوپر اٹھ جاتی ہے کبھی قعر دریا میں چلی جاتی ہے اور نیک و بد اعمال کے تھپیڑے اُسے ادھر اُدھر لیے پھرتے ہیں؟ کیا انسان تباہ شدہ جہاز کی طرح سبب و مسبب کے شور انگیز اور ناموافق دھارے پر بہا چلا جاتا ہے؟ کیا انسان ایک چھوٹے پتنگے کی مانند سبب کے پہیہ کے نیچے بیٹھا ہی جاتا ہے جو اپنی رفتار سے ہر چیز کو جو اس کے راستے میں آ جاتی ہے کچل کر پیس ڈالتا ہے۔ اور بیواؤں کی گریہ وزاری یتیموں کی فریاد و ناتوانوں کی کچھ پروا نہیں کرتا؟ اس خیال سے دل بیٹھا جاتا ہے۔ مگر قانون قدرت اسی طرح پر ہے۔ نا امیدوں کے دل سے بیساختہ نکل گیا "خداوندا کیا اب کوئی امید نہیں ہے؟ کیا اب نجات کی کوئی صورت نہیں ہے؟ یہ فریاد خدائے غفور الرحیم نے سنی اور امید و تشفی آمیز الفاظ میں مدونان وید کو الہام ہوا جنھوں نے دنیا میں بآواز بلند بنی آدم کو یوں مژدہ سنایا۔ "اے لازوال خوشی کے بچو اے اعلیٰ طبقہ کے رہنے والو۔ ہم نے خدائے قدیم کو جو تمام تاریکیوں اور مغالطوں کے پردوں کے اُس طرف ہے پا لیا ہے۔ تم صرف اُسی کے جاننے سے سلسلہ تناسخ سے محفوظ رہ سکتے ہو۔ لازوال خوشی کے بچو! یہ کیسا پیارا نام ہے! ہمیں اجازت دو کہ تمھیں اس پیارے نام سے غیر فانی خوشی کا وارث کہکر پکاریں۔ ہندو تم کو گنہگار کہنے سے انکار کرتا ہے۔ تم خدا کے بندے ہو۔ تم لازوال خوشی کے حصہ دار ہو۔ اے پاک و کامل بندو تمھیں دنیا میں الوہیت کا درجہ حاصل ہے۔ انسان کو گنہگار کہنا گناہ بلکہ انسانی نیچر پر ایک موٹا الزام ہے مقدس ویدوں میں نہ ایسے قوانین ہیں جنسے مغفرت ہونی دشوار ہو نہ سلسلہ سبب کی

غیر محدود قیود نہیں بلکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان جملہ قوانین سے قطع نظر۔ مادہ اور طاقت کے ہر جزو اور ذرہ میں ایک ایسی چیز نہاں ہے جس کے حکم سے ہوا چلتی ہے آگ جلتی ہے مینہ برستا ہے اور موت زمین پر بے پاؤں چلتی ہے۔ اس کے صفات یہ ہیں۔ وہ ہر جگہ موجود ہے، پاک ہے، اس کی کوئی شکل نہیں ہے وہ قادر مطلق اور رحیم ہے۔ علماے وید اس کی حمد و ثنا اس طرح کرتے ہیں "تو ہمارا ماں باپ ہے، تو ہمارا عزیز دوست ہے۔ تو تمام طاقتوں کا منبع ہے۔ ہم کو طاقت عطا کر۔ تو تمام عالم کا بوجھ اٹھاتا ہے ہم کو زندگی کا بار اٹھانے کے لئے مدد دے۔" اور اس کی پرستش کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اسے دنیا و آخرت کی جملہ چیزوں سے زیادہ عزیز اور اپنا محبوب جان کر دلی محبت سے اس کی پرستش کرے۔

ویدوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ روح نہایت پاک اور برتر ہے مگر مادہ کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ جب یہ زنجیریں ٹوٹ جائیں گی تب اسے کمال حاصل ہوگا اس کمال کے لئے وید میں مکتی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی آزادی کے ہیں اور اس آزادی سے خالی موت اور تکالیف سے آزادی مراد ہے۔

یہ زنجیریں صرف خدائے غفور الرحیم ہی کی عنایت سے ٹوٹ سکتی ہیں۔ خدا پاک دامنوں اور پرہیزگاروں پر رحم کرتا ہے۔ پس اس کی رحمت کے لئے پاک دامنی اور پرہیزگاری کی شرط ہے۔ وہ پاک دامنوں پر اس طرح رحم کرتا ہے کہ ان کو اپنی تجلی دکھاتا ہے اور وہ اس کا جلوہ اسی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ اس وقت ان کے دلوں کی کل گتھیاں دور ہو جاتی ہیں اور کل شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ ہندوؤں کا روح کی نسبت یہی خیال ہے

وہ صرف الفاظ اور مسائل ذہنی پر ہی قائم رہنا نہیں چاہتے۔ اُن کی ہمتیں بلند، خیالات وسیع اور سعی کے پاؤں مضبوط ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ معمولی نفس پرست ہستی کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی ہے۔ وہ وہاں جانا چاہتے ہیں۔ انھیں معلوم ہے کہ ہماری روح مادی نہیں ہے۔ اس نورانی آئینہ میں نیرنگ ساز خدا جلوہ گر ہے۔ وہ براہ راست اس جلوہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اس طرح وہ خدا کو ضرور دیکھتے ہیں اور اُن کے تمام شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ ہندو جو سب سے بہتر ثبوت روح اور خدا کا دیتے ہیں وہ یہی ہے کہ ہم نے روح اور خدا کو دیکھا ہے۔ اور صرف اسی کو تکمیل کہتے ہیں۔ ہندو مذہب صرف اسی بات کی کوشش نہیں کرتا کہ کسی خاص مشرب یا کسی مستند قول پر اعتقاد لائے بلکہ وہ معتقد علیہ مسئلہ کو عمل کر دکھانے کی ہدایت کرتا ہے۔ ہندوؤں کی نظر اُصول ہی پر نہیں ہے۔ وہ نتیجہ پر بھی نگاہ جمائے ہوئے ہیں۔ اُن کے طریقہ میں پیہم اسی بات کی سعی کی جاتی ہے کہ کامل ہو جائیں، فنا فی اللہ کا رتبہ حاصل ہو، خدا کو پائیں۔ خدا کو دیکھیں، اور خدا کی طرح کامل (فنا فی الذات) ہو جانا، خدا کو پانا، خدا کو دیکھنا یہی ہندوؤں کا مذہب ہے۔

حصول کمال کے بعد انسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ وہ سرور ابدی حاصل کرتا اور زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ سرور ابدی اور ابدی حیات سے اُس ایک ذات پاک سے وصل ہو جانا مراد ہے۔ اسی اتصال کے بعد انسان دنیا کے تمام انقلابات اور حوادث سے منزہ ہو جاتا ہے اور خدا کے ساتھ ابدی سرور کا حظ اُٹھاتا ہے۔ یہاں تک تمام ہنود متفق ہیں اور یہی ہندوستان کے کل ہندو فرقوں کا مشترک مذہب ہے۔ مگر اس کے بعد ایک سوال

یہ پیدا ہوتا ہے کہ کمال قائم بالذات ہے اور جو شئے غیر محدود اور قائم بالذات ہے وہ دو یا تین نہیں ہو سکتی۔ نہ اُس میں خاصیتیں ہو سکتی ہیں نہ شخصیت ہوتی ہے پس جب روح کامل اور قائم بالذات ہو جاتی ہے تو ضرور روح اور خدا ایک ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں انسان اور خدا کا وصال صرف کمال ہو گا۔ وہ اپنی ہستی اور فطرت کی اصلیت کو معلوم کرلیگا۔ اور اُس کی ہستی وجود قائم بالذات۔ علم قائم بالذات۔ حیات قائم بالذات ہو جائیں گے پھر وصال الٰہی کا حظ کس کو حاصل ہو گا۔

مگر یہ خیال درست نہیں ہے۔ کیونکہ جب اس ایک چھوٹے سے جسم کی واقفیت سے خوشی حاصل ہوتی ہے تو دو۔ تین۔ چار۔ پانچ اجسام کی ماہیت ضرور سرور موفور کا باعث ہو گی۔ اور کل عالم اجسام کی ماہیت سے انتہا درجہ کی خوشی اور حظ حاصل ہو گا لہٰذا اس انتہائی خوشی حاصل کرنے میں شخصیت ضرور جاتی رہیگی۔ یہ ایک بدیہی علمی نتیجہ ہے کہ انسان موت سے اُسی وقت بچ سکتا ہے جب وہ زندگی میں فنا ہو جاتا ہے۔ تکالیف کا اُسی وقت خاتمہ ہوتا ہے جب وہ راحت و آرام کا ہو رہتا ہے۔ غلطیاں اُس وقت رفع ہو سکتی ہیں جب وہ عین علم ہو جاتا ہے۔ علم سے ثابت ہے کہ جسمانی شخصیت مغالطہ ہے۔ اور دراصل انسانی جسم مادہ کے زخار دریا میں پیہم غوطے کھانے والا اور ہر غوطہ پر نئی شکل بدلنے والا جسم ہے برخلاف اس کے انسانی ضمیر جوہر بسیط اور جزو لایتجزی ہے۔

علم میں صرف یہی قدرت ہے کہ اُس سے وحدت دریافت کرسکیں۔ جب کسی علم سے کامل وحدت معلوم ہو جاتی ہے تو اُس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے

مثلاً علم کیمیا کی انتہا یہ ہو کہ اُس سے ایک ایسا عنصر دریافت کرلیں جس سے اور تمام عناصر ترکیب پاسکیں۔ علم طبیعی اُس وقت مکمل ہوجاتا ہی جب اُس سے ایک ایسی قوت دریافت کرلیں جس کی اور تمام قوتیں ظہوری شکلیں ہیں۔ علم مذہب اُس وقت کمال کو پہنچتا ہی جب وہ اُس ذات واحد کو دریافت کرلیتا ہی جو حوادثات سے معرا اور ہمیشہ تبدیل ہونیوالی دنیا کی مضبوط بنیاد ہی۔ جو صرف ایک ایسی روح ہی جس کی اور سب روحیں ہمیں دھوکے میں ڈالنے والی ظہوری شکلیں ہیں۔ یوں کثرت اندرونی سے وحدت حاصل ہوتی ہی یہی علم مذہب کی انتہا اور کُل علم کی منزل مقصود ہے۔ اور آخر میں سب کا یہی نتیجہ نکلتا ہی۔ آج کل کی علمی دنیا یہیں تک ہی کہ وہ ہر شے کو ظاہر کرتی ہی مگر ایجاد نہیں کرتی۔ پس حصول علم سے انسان کی اس قدر خوشی ضرور متصور ہی کہ جو باتیں زمانۂ دراز سے اُس کے دماغ میں بھری تھیں اُنھیں وہ مؤثر الفاظ میں سیکھتا ہی اور حال نتائج علمی سے واقفیت مزید حاصل کرتا ہی۔

اب ہم اعلیٰ اور فلسفیانہ خیالات سے گزر کر جہلا کے مذہب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہم ابتدا ہی سے کہیں گے کہ ہندوستان میں شرک و بُت پرستی نہیں ہی۔ اگر کوئی کسی بتخانہ میں کھڑا ہو کر بغور سُنے تو اُسے معلوم ہوگا کہ پرستش کرنے والے ان بتوں کو تمام خدا کی صفات سے موصوف کرتے ہیں جن میں حاضر و ناظر بھی ہی۔

درخت کو اُس کے پھلوں سے پہچانتے ہیں۔ ہم نے اُن آدمیوں میں جنھیں بُت پرست کہا جاتا ہی وہ شرافت۔ خلوص ارادت اور روحانی عشق دیکھا جو اور کہیں نہیں پایا جاتا

تو خود اپنے دل میں سوال کیا "کیا گناہ سے نیکی پیدا ہو سکتی ہے؟"

جس طرح ہم اپنے وسیع خیالات کو اپنی وسعت نظر کے موافق کے انھیں چیزوں سے جو ہمارے پیش نظر ہیں استعارہ کرتے ہیں۔ کبھی چرخ نیلگوں یا ناپیدا کنار قلزم کہتے ہیں۔ کبھی انھیں خیالات میں ہر جگہ ظاہر ہونے والی صفت طہارت کے ساتھ شامل کر لیتے ہیں تو انھیں کو کلیسا، مسجد، یا صلیب سے منسوب کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں نے تقدس، معصومیت اور راستی وغیرہ کے خیالات کو مجسمات، مورتوں اور شکلوں سے منسوب کیا ہے۔ لیکن اکثر امور کے اختلاف سے بعض اپنی تمام زندگی اپنے بت کی نذر کر دیتے ہیں اور اعلیٰ کی طرف ترقی نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک مذہب کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ وہ کسی مذہبی اصول پر دائمی قوت صرف کریں اور اپنے ہم جنسوں کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں۔ ہندوؤں کے مذہب کا اصل اصول حق شناسی ہے۔ خدا شناسی سے انسان خدا ہو جاتا ہے لہذا بت، صنم خانہ، کلیسا بیک تا ہیں انسان کی معین اور اس کے روحانی لذکیین کی مددگار ہیں۔ انھیں کے ذریعہ سے وہ آگے آگے ترقی کرتا جائیگا اور کہیں نہیں رکیگا۔

ویدِ مقدس سے واضح ہے کہ ترقی کی کوشش میں ظاہری اور مادی پرستشیں ادنیٰ مقام ہیں۔ درود وظائف دوسرا مقام ہے۔ مگر اعلیٰ ترین مقام وہ ہے جب انسان خدا شناس ہو جائے۔ دیکھئے وہی سرگرم آدمی جو بتوں کے آگے سجدہ کر رہا تھا آگے چل کر کیسی کوششیں کرتا ہے "سورج، چاند، ستارے کسی میں طاقت نہیں ہے کہ خدا تعالےٰ

کے اوصاف بیان کر سکے۔ نہ برق کو یہ طاقت۔ نہ شعلہ کو یہ قدرت۔ یہ سب اُسی کی روشنی سے اقتباس نور کرتے ہیں؛ مگر اس اختلاف سے وہ بتوں کو بُرا نہیں کہتا اور نہ بت پرستی کو گناہ جانتا ہے بلکہ اس حالت کو وہ ایک ضروری مقام اپنی زندگی کا سمجھتا ہے۔

کوئی شخص اگر کسی بُت کے ذریعہ سے عارف باللہ ہو جائے تو کیا بُت پرستی کو گناہ کہنا درست ہوگا؟ نہ وہ خود جب اس مقام سے گزر کر ترقی کر رہا ہو اسے اپنی غلطی کہہ سکتا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک انسان غلطی سے سچائی کی طرف نہیں جاتا بلکہ ادنےٰ سچائی سے اعلیٰ سچائی کی طرف جاتا ہے۔ ان کے ہاں ادنیٰ مصنوعی مذہب سے اعلیٰ درجہ کے فنا فی الوجود مذہب تک سب معرفت خدا حاصل کرنے کے لئے انسانی کوششیں ہیں جو روح کی پیدائش اور اثر صحبت کے مطابق ہوتی ہیں۔ یہ سب ترقی کرنے کی منزلیں ہیں۔ اور انسانی روح ہما کے بچہ کی طرح بلندی کی طرف اڑتی ہے۔ جس قدر پرواز اونچی ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُس کے بازوؤں میں طاقت آتی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ مذہب کے آفتاب تک پہنچ جاتی ہے۔

کثرت میں وحدت کا ہونا قدرت کاملہ کا ایک ڈھنگ ہے۔ ہندوؤں نے اُسے تسلیم کر لیا ہے۔ دیگر مذاہب میں چند مقررہ مسائل دینی ہوتے ہیں اور کل اہل دین کو ان کا پابند کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یعنی تمام اہل دین کے لئے ایک ہی قبا طیار کیجاتی ہے جو زید۔ عمر۔ بکر اور خالد کے جسم پر یکساں ٹھیک ہو۔ لیکن اگر عمر یا خالد کے جسم پر یہ قبا درست نہ ہوئی تو وہ برہنہ رہ گئے۔ ان مذہب والوں کی تحقیقات یہ ہے کہ وہی روح قائم بالذات

کو دریافت کرسکتی ہی۔ یا اُس کا تصور اور بیان کرسکتی ہی جس کو اُس کے ساتھ کچھ مناسبت ہوتی ہی اور بُت۔ صلیب یا ہلالی شکل مذہب کے صرف متعدد مرحلے ہیں۔ یعنی وہ روحانی خیال کو آگے بڑھانے کے لئے قیام کا کام دیتے ہیں۔ گو ایسی امداد کی سب کے لئے ضرورت نہیں ہی مگر اکثروں کو ہی اور جن کو اس کی حاجت نہیں ہی اُن کو اسے بُرا کہنے کا بھی حق حاصل نہیں ہی۔

یہاں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ہندوستان میں بُت پرستی کوئی ایسی خوفناک چیز نہیں ہی جس کے خیال سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوں۔ بلکہ یہ اعلیٰ اور روحانی سچائیوں کو معلوم کرنے کے لئے غیر نشو و نما پائے ہوئے دلوں اور خام طبیعتوں کی کوششیں ہیں۔ ہندوؤں میں اُن کی اپنی چند غلطیاں بھی ہیں یعنی بعض اوقات اُن کے مذہبی اصول میں چند مستثنیات بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر یہ امر قابل یاد رکھنے کے ہی کہ اُن سے اُنھیں ہمیشہ اپنے ہی جسم کو تکلیف دینی مقصود ہوتی ہی۔ وہ اپنے ہمسایوں کے گلے کُند چھری سے نہیں کاٹتے۔ مثلاً کوئی ہندو مجذوب مذہبی جوش میں چتا پر چل کر خاک ہوجائے تو وہ اپنے ہی جسم کو سزا دیتا ہی۔ رومن کیتھلک مذہب کی دینی عدالتوں کی طرح خارجیوں اور ملحدوں کی آزمایش یا سزا دہی کے لئے آگ مشتعل نہیں کرتا۔ تاہم اس فعل کا مذہب ہنود پر اتنا ہی اثر ہوسکتا ہی جتنا ساحرہ عورتوں کے جلانے کا مذہب مسیحی پر ہوسکتا ہی۔

اہل ہند کے عقائد کے موافق جملہ مذاہب کی دنیا سفر آخرت ہی جس میں مختلف

مرد وزن مختلف طریقوں اور حالتوں کے مسافر ہیں اور ایک ہی منزل مقصود پر پہونچنے والے ہیں۔ ہر مذہب میں انسان کی مادی ہستی سے خدا کو ظاہر کر کے دکھایا جاتا ہے۔ اور خدا ہی کی جانب سے ہر مذہب کے رہنما کو اس بات کا الہام ہوتا ہے۔ پھر مذہبوں میں اتقدر باہمی نقیض اور خلاف بیانی کا کیا سبب ہے؟ ہندو کہتے ہیں یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ سچائی کے ایک ہی اصول کو مختلف طریقوں اور پیرایوں سے باہم ملا کر ایک کرنے میں تخالف اور تناقض پیدا ہوتا ہے۔

ایک ہی روشنی مختلف رنگوں میں نمودار ہوتی ہے۔ اور اس روشنی کے رنگوں کا اختلاف باہمی اتصال کے لئے نہایت ضرور ہے۔ یہی اصول ہر دل میں جاگزیں ہے۔ خدا نے ہندوؤں میں اپنا اوتار سری کرشن کی صورت میں ظاہر کر کے یہ اصول یوں سمجھایا ہے "میں ہر مذہب میں سلک مروارید کے ریشم کی طرح ہوں۔ تم جہاں غیر معمولی طہارت اور عجیب و غریب طاقت کو، انسانی ہستی کو ترقی دیتے ہوئے اور پاکیزہ بناتے ہوئے دیکھو سمجھ لو کہ میں وہاں موجود ہوں"۔ اسی تعلیم پر نظر کر کے ہم ہر معترض کو حریفانہ اجازت دیتے ہیں کہ وہ از اول تا آخر سنسکرت کے تمام فلسفہ میں کوئی ایسا مقام بتائے جہاں یہ بیان کیا گیا ہو کہ ہندوؤں کے سوا اور کسی کی مغفرت نہیں ہوگی۔ بیاس جی کا قول ہے کہ ہم اپنی ذات اور مذہب کے باہر بھی کاملین کو پاتے ہیں۔

مذکورہ بالا مختصر بیان کو ہندو مذہب کا عطر اور لب لباب کہہ سکتے ہیں مگر اس مذہب کو دیگر مذاہب کی طرح ایک ہی شخص نے ایک ہی وقت میں وضع نہیں کیا ہے بلکہ

اے مختلف رہنماؤں، رشیوں اور سنتوں نے جو مختلف زمانوں میں پیدا ہوئے ہزارہا سال کے عرصہ میں بنایا ہے۔ اب ہم ناظرین کو اچھی طرح سمجھانے کے لئے اس برتر اور اعلیٰ مذہب کے مختصر تاریخی حالات اور واقعات درج کرتے ہیں۔ اور اس بیان میں اعلیٰ مصنفین کا تتبع کرکے ہندو مذہب کی نشو و نما اور ترقی کے زمانہ کو سات دور میں منقسم کرتے ہیں۔ ہر دور کی انشا پردازی اور اُس کے رہنما، رشی، سنت، اور شاستر جدا جدا ہیں۔ اسی سے ہندو مذہب کی نشو و نما اور ترقی کے زمانوں کی مختلف حالتیں دریافت کرنی بہت آسان ہیں۔ ہاں یہ امر اُس وقت دشوار ہوتا جب ہر دور کی انشا پردازی میں اختلاف نہ ہوتا یا ہر دور کے علم الٰہی میں بیشمار تصانیف موجود نہ ہوتیں۔

ہم ہندو مذہب کی بنا ابتدائے قیام مذہب سے شروع کرتے ہیں۔ اس زمانہ کی تاریخ رگ وید سے معلوم ہوتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پیشتر کسی مقام وسط ایشیا سے ایک قوم ہند میں آئی۔ وہ لوگ ایرین کے نام سے مشہور ہوتے تھے اور فی زمانناوہ اہل ہند اور اہل یورپ کے مورث اعلیٰ فرض کئے گئے ہیں۔ اصل میں وہ گلہ بان اور خانہ بدوش تھے۔ مگر پنجاب کے سرسبز وادی میں داخل ہو کر کاشتکاروں کی طرح آباد ہوئے اور خوش گزران زندگی بسر کرنے لگے۔ جب وہ ہندوستان میں وارد ہوئے تو شاید انھیں مذہب اور خدا کی طرف بہت ہی کم توجہ تھی۔ مگر یقیناً ایک مدت کے بعد یہاں کے دلکش منظر۔ نیلگوں آسمان۔ روشن چاند۔ تازگی بخش دریا۔ صاف شفاف نہروں۔ سرسبز مرغزاروں۔ رنگ برنگ کے پھولوں اور عظمت و شان نے اُن کے دلوں میں اعلیٰ

خیالات پیدا کرکے اُنھیں صانع مطلق کی نامتناہی اور کامل قدرتوں کی طرف رجوع کردیا وہ بڑے خوش نصیب تھے۔ اُنھیں دنیا کے کُل عیش و آرام حاصل تھے۔ اُن میں ایسے بھی پیدا ہوئے جنھیں بہشتی نور بخشا گیا۔ وہ قدرت کاملہ کی حسن و خوبی کی تعریفیں کرتے۔ اور قادر مطلق کی جو قدرت کاملہ کا فرمانروا اور ہادی ہے حمد و ثنا کے گیت گاتے تھے۔ انسانی خلقت میں یہی پہلے لوگ تھے جنھوں نے مالک کُل کا تصور کیا اور اُس روح کو محسوس کیا جو عالم ایجاد کی ابتدا اور انتہا ہے۔ اُنھوں نے علم روحانی اور اخلاقی دونوں میں برابر ترقی کی۔ ہندوں کی اس ترقی میں پانسو برس سے زیادہ گزرے۔ اور اول اول مذہب کا تخم رگ وید کے لاتعداد گیتوں نے بویا جن کو مختلف شخصوں مختلف مقامات میں تصنیف کرکے گایا۔ ان تمام گیتوں میں کم و بیش خالق اکبر کے عشق اور عظمت کی بوے خوش آتی ہے جو تمام دنیا کا حکمراں ہے۔

ہندو مذہب کا پہلا دور اس طرح ختم ہوا۔ مگر خدا کی حمد و ثنا کے گیت گانے اور عشق الٰہی کو نظم دلکش میں ظاہر کرنے سے اُن کی تسکین نہ ہوئی۔ اس خیال نے رفتہ رفتہ ان کی آرزوں کا حوصلہ بڑھایا اور اُن کے دل میں اس رفیع الشان، وسیع، خوبصورت عالم کی مالک سے قربت حاصل کرنے کی تمنا پیدا کی۔ اکثر غور و فکر کرنے والوں نے خدا کی نزدیکی اور عیش ابدی حاصل کرنے کے وسائل دریافت کرنے میں بڑی دماغ سوزیاں کیں۔ اس وقت منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے دو فریقوں نے دو مختلف طریقوں سے کوشش کیں۔ ایک فریق نے بیشمار رسوم مذہبی اختراع کرکے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور

دکھایا کہ ان کی پابندی سے صفائی قلب حاصل ہو کر نیکی پیدا ہوگی۔ اور بہشت نصیب ہوگی۔ دوسرے فریق نے رسوم مذہبی کی پرواہ نہ کی اور ایک دوسری قسم کی کتابیں لکھیں جن کو مذہبی دنیا میں علم فلسفہ کی ابتدا کہنی چاہئے۔ لیکن گو ایک گروہ نے درس کتب اور دوسرے نے دماغی اصلاح سے خدا شناسی کی سعی کی۔ ان دونوں کی کوشش مذہب کی نشو ونما اور ترقی میں دوسرے درجہ سے زیادہ نہ تھیں۔ ان فریقوں نے دو قسم کی انشا پردازی چھوڑی ہے جن میں سے ایک کو "برہمنہ" اور دوسری کو "اپنشد" کہتے ہیں۔

یوں ہندو مذہب کا دوسرا دور ختم اور تیسرا شروع ہوا۔ یہ زمانہ اہل ہند کی مذہبی ترقی ہی کے لئے مشہور نہیں ہے بلکہ اس میں ان کا تمدن، دنیاوی جاہ و ترقی کے اعلےٰ درجہ پر پہنچا۔ ان کی حکومت ہمالیہ سے لیکر بحر ہند کے کنارے تک ہوگئی۔ اُن میں بڑے بڑے طاقتور حکمراں ہوئے اور ان کی سلطنتوں میں اعلیٰ اعلیٰ ترقیاں ہوئیں۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں سری کرشن مہاراج نے ظہور فرمایا۔ اور کچھیتر کے میدان میں جنگ عظیم ہوئی۔ اسی زمانہ میں یسک نے نرکت تصنیف کی۔ پنی نے صرف و نحو کے رسالے لکھے پاتنجل نے جوگ کی کتابیں تصنیف کیں۔ کپل نے سانکھیہ والوں کا فلسفہ لکھا۔ اسی زمانہ میں برگزیدہ بیاس جی نے ویدوں کی تالیف کی اور والمیکی رامائن لکھی گئی جس وقت تمام دنیا میں جہل کی تاریکی چھائی ہوئی تھی ہندوؤں کی قوم میں اعلیٰ تہذیب و شائستگی اور ترقی کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ مذکورہ بالا اول دوروں کے خلاف ہم اس دور کا

زمانہ ایک ہزار سال سے کم شمار نہیں کرسکتے۔ اس کی ابتدا کپل اور دیگر چند فلسفیوں کی پیدائش سے ہوئی۔ اس کا درمیان کلچھیتر کی جنگ اور اُس کی انتہا بودھ مذہب کی ترقی کا زمانہ تھا۔

چوتھا دور بودھ مذہب کے دوران زمانہ میں گزرا۔ بالعموم لوگوں کا خیال ہو کہ بودھ بالکل ایک جدا مذہب ہی۔ مگر افسوس اس سے زیادہ اور کوئی رائے غلط نہیں ہوسکتی ہم آگے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ گوتم بدھ نے اسی مذہب کے وعظ دیئے جو سری کرشن نے تعلیم کیا تھا۔

بودھ مذہب کے اقبال کا ستارہ ہند میں ایک ہزار سال سے زیادہ چمکتا رہا اور یہ ہندوؤں کی اعلیٰ تہذیب اور تمدن کا زمانہ تھا۔

مگر بودھ مذہب کے آخری زمانے میں بہت بڑا تغیر اور انقلاب ہوا۔ یعنی ادھر ہندو مذہب نے آہستہ آہستہ وسعت حاصل کرکے طاقت پکڑی اور عظمت پائی ادھر ہندوؤں کی تہذیب و شائستگی کو پیرانہ سالی نے گھیر لیا اور اُس میں ضعف آگیا۔

پانچواں دور بڑی روشنی کے زمانہ میں شروع ہوا اور تاریکی میں ختم ہوا۔ اِس کی ابتدا وکرمادت کے عہد سلطنت اور شنکراچارج کی پیدائش کے زمانہ میں ہوئی اور اختتام مسلمان غنیموں کی فتحیابی پر ہوا۔ یہ دور سات سو برس تک قائم رہا جس کے اول دو سو برس تک روشنی کا زمانہ تھا اور آخری پانسو برس میں سخت تاریکی رہی۔ اس دور کو پورانیک زمانہ کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں بیشمار پُران اس غرض سے لکھے گئے کہ ہندو

مذہب کا اثر بنی آدم کے دلوں پر بخوبی پڑے مگر کوئی عمدہ نتیجہ نہ نکلا کیونکہ ہندؤں کی تہذیب روحانی عظمت و شان سے گر گئی اور اس کی روشنی کے مطلع پر تاریکی کی گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں۔

چھٹا دور ہندوستان میں اسلامیہ سلطنت کا زمانہ تھا۔ اِس زمانہ میں بھی عُلمائے دین کا ظہور ہوا۔ رشی اور سنت پیدا ہوئے اور ہندو مذہب کی روشنی پھیلانے کے لئے جو جہل کی تاریکی سے ماند ہوئی جاتی تھی بہت کچھ کوششیں کی گئیں۔ گو اس مذہب کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ہندوں کی فضیلت۔ فوقیت اور عظمت جاتی رہی تھی تاہم غاصب زمانہ کی دست بُرد اور جبر و تعدی سے اُس کا سر نہ جھکا۔ اُس میں شک نہیں کہ ہندو مذہب بظاہر دنیا سے مفقود ہو گیا۔ عام لوگوں کی سوسائیٹوں سے جو آئے دن کی خانہ جنگیوں اور جہل و تعصب سے معمور تھیں غائب ہو گیا۔ مگر وہ چند ایسے شخصوں کے دلوں میں ضرور باقی رہا جو سوسائٹی کے جھگڑے بکھیڑوں سے علٰحدہ تھے اور وہیں نہایت خاموشی کے ساتھ روشنی۔ ترقی اور وسعت حاصل کرتا رہا۔ اس وقت کے ہندو مذہب کی نسبت اگر کوئی زیادہ سے زیادہ خراب بات کہی جا سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ مذہب بحالت خواب میں تھا۔ مگر وہ اس حالت میں عرصہ تک نہیں رہا۔ سوتے ہوئے شیر کی طرح یکایک بیدار ہو کر گرجنے لگا اور ایک ہزار سال کے بعد اس نے "نئے چیتن" کے جھنڈے کے نیچے اپنی قدیم آب و تاب اور اصلی چمک دمک کے ساتھ جلوہ دکھایا۔

ہندو مذہب کا ساتواں اور آخری دور حال کا زمانہ ہے پچھلے دور میں اسے دنیا کے

بڑے طاقتور مذہب اسلام سے مقابلہ کرنا پڑا آخری دور میں زمانہ موجودہ کے نہایت نامی گرامی مذہب مسیحی سے اُس کی مڈبھیڑ ہوئی مگر کوئی اُس پر غالب نہ آسکا بلکہ ان مذہبوں کے مدمقابل ہونے سے اُسے اپنی نشو و نما۔ تازگی اور طاقت و عظمت حاصل کرنے میں بہت بڑی مدد ملی ہے۔

ہماری رائے میں ہندو مذہب کی نشو و نما اور بالیدگی ترقی کر رہی ہے۔ یہ امرت پھل کا سرجیون درخت مقدس وید وں کی زبان پاک سے مناسب موسم میں اُگا۔ برہمن کی آبیاری اس میں کونپلیں نکال لائی۔ اور گوتم بدھ کی پیدائش سے اس کی نشو و نما کو اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل ہوا۔

اسکے بعد ہندو مذہب سے مختلف جدید مذاہب پیدا ہوئے اور وہ جہل و تعصب کے ہاتوں نہایت ردی اور زدہ حالت میں ہوگیا۔ مگر "نمے چیتن" کی پیدائش سے پھر اُس کی اصلی اور پرانی قوتوں نے عود کیا۔

یہ ایک ذات یا ایک فرقہ کا مذہب نہیں جیسا کہ عوام الناس کا عقیدہ ہے بلکہ کل بنی نوع انسان کے لئے وضع کیا گیا ہے جس وقت دخانی جہاز۔ ریل۔ تار۔ تجارت اور فتوحات سے کل دنیا مل جل کر ایک ہوجائیگی ایک اور رہنما پیدا ہوکر ظاہر کریگا کہ ہندو مذہب تمام دنیا کے انسانوں کے لئے ہے۔ عامیانہ خیالات کے لوگونکی رائے کے خلاف یہ جاہلوں اور ناپاکوں کا مذہب نہیں ہے۔ اُسے رہنماؤں۔ رشیوں اور سنتوں نے وضع کیا ہے۔ اگر کوئی شخص ہندو مذہب کو جاننا، پڑھنا، یا حاصل کرنا چاہیے

تو وہ بڑے بڑے رہنما رشی اور سنتوں کی تلقین غور سے پڑھے - یہ بزرگ لوگ خدا کے اوتار تھے - اُن کے اقوال وید مقدس ہیں جو آسمانی وحی اور ربانی الہام ہیں جو خدائے تعالیٰ نے اپنی عنایت سے انسان کو کرامت فرمائے ہیں۔

ہندو مذہب کے سمجھنے میں جو دقتیں پیش آتی ہیں اُن کا یہی باعث ہو کہ اور مذہبوں کی صرف ایک صورت ہو مگر اس کی تین مختلف شکلیں ہیں - یہ تینوں شکلیں نجاۃ حاصل کرنے کے تین زینے ہیں - پہلا زینہ قربانیاں ہیں جو مادی اشیا کی مدد سے کی جاتی ہیں - دوسرا زینہ دل کی صفائی ہو - جس سے اوصاف حمیدہ کا اختیار کرنا نفس امارہ کو قابو میں لانا - اور ہر طرح پر دلی شرافت اور عظمت حاصل کرنی مراد ہو تیسرا زینہ روح سے تعلق پیدا کرتا ہو -

اور مذہبوں میں پہلے دو زینے نہیں ہیں - تیسرا زینہ کچھ یوں ہی ٹوٹا پھوٹا سا ہو ان مذہبوں کے پیرو صرف دلی اصلاح پر زور دیتے ہیں - اسی اصلاح کو نیکیوں کے پیدا ہونے کا خاص ذریعہ خیال کرتے ہیں - اور نیکیوں کے پیدا ہونے سے نجاۃ کا ملنا قیاس کرتے ہیں - مگر ہندو تینوں طریقوں سے ہر ایک کو بجائے خود نہایت ضروری اور اعلیٰ درجہ کا کارآمد سمجھتے ہیں - یہی اور مذاہب سے اختلاف ہو اور اسی وجہ سے اُن کے مقابلہ میں ہندو مذہب کا ٹھیک اور صحیح طور پر سمجھنا بہت دشوار ہو -

---

رہنماؤں کی تعریف

قدرت کاملہ کی ماہیت دریافت کرنے والے کو عالم اور اُس کی صناعیوں اور دستکاریوں کا پُراثر الفاظ میں مرقع کھینچنے والے کو شاعر کہتے ہیں۔ عالم قدرتی اشیا کے اوصاف اور اُن کے قابل قدر فائدے بتاتا ہے۔ شاعر اُن کی حسن و خوبی بیان کرتا ہے۔ علوم و فنون کے حاصل کرنے سے ہر انسان عالم ہو سکتا ہے۔ مگر شاعر اپنا قدرتی دماغ اور اپنی فطری ذہانت اپنے ساتھ ہی لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں عالم بہت ہیں شاعر کمیاب۔ ایسے شاعر جنھیں شاعر کہہ سکیں۔ سارے جہان میں دس بیس ہونگے اس کثرت اور قلت کا یہی سبب ہے کہ ہر شخص ذاتی تربیت سے اپنے مبلغ استعداد کو زیادہ قیمتی بنا کر خطاب فضیلت حاصل کر سکتا ہے۔ مگر بغیر الہام غیبی اور تائید آسمانی ہر انسان کا ذکی الطبع اور عالی دماغ شاعر ہو جانا محال ہے۔

جو فرق عالم اور شاعر میں ہے وہی نسبت فلسفی اور رہنما میں ہے۔ فلسفی ابدی خوشی کے طریقوں پر بحث کرتے ہیں اور رہنما اُسے حاصل کرنے کے راستے بتاتے ہیں۔ فلسفی ہر زمانہ میں سیکڑوں ہوتے ہیں مگر رہنما بہت کم پیدا ہو سکتے ہیں۔ فلسفی ہوتا علوم نقیہ کی

تحصیل اور غور و فکر پر منحصر ہے اور رہنما غیبی الہام سے مؤید ہوتے ہیں۔ اُن کے جسم میں خالق اکبر کا نور جلوہ گر ہو کر انسان کی بہتری کے لئے طرح طرح کے کارنمایاں کرتا ہے اس لئے رہنما خدا تعالےٰ کے مجسم نور پاک یا اوتار کہے جاتے ہیں۔

عالم موجودات کامل بالذات ہے۔ ذرّہ سے لیکر سطح آسمان تک جس میں لاتعداد ستارے جڑے ہیں کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کو غیر مکمل کہہ سکیں۔ کیونکہ اِس عالم میں جہاں بیشمار ضرورتیں خلق ہوئی ہیں وہاں اُن کو رفع کرنے کے لئے ہر قسم کے سامان بھی مہیا کر دیئے گئے ہیں۔

ہر انسان کے دل میں ابدی خوشی حاصل کرنے کی ایک اندرونی خواہش ضرور ہوتی ہے۔ وہ ازخود محسوس ہوتی ہے اور اس میں کامیاب نہ ہونے کی وجہ سے انسان دل ہی دل میں کڑھتا ہے۔ بچہ سے لیکر بڈھے تک ایسا کوئی بشر نہیں ہے جس کے دل میں یہ حسرت نہ بھری ہو اور جو اس کے نکالنے کی کوشش نہ کرتا ہو۔

کیا خدا تعالےٰ نے ایسا پانی پیدا نہیں کیا ہے جس سے یہ انسانی پیاس بجھے! کیا یہاں عالم نامکمل رہ گیا ہے؟ کیا آلام دنیوی سے جو انسان کے دل کو گھیرے ہوئے ہیں رہائی محال ہے؟ نہیں نہیں جس خداوند کارساز نے اِس عالم موجودات کو تمام خوبیوں سے آراستہ کر کے کامل بنایا ہے اُس نے اس خواہش کے پورا کرنے کو ذرائع اور وسائل بھی پیدا کئے ہیں یعنی عالم اسباب میں ایسے سبب بھی ہیں جن سے ابدی خوشی دائمی راحت اور نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ ظاہری تمنا نہیں ہے جو قدرتی نعمتوں سے

ملجانے سے پوری ہو جائے بلکہ یہ آگ انسان کے دل میں جلتی ہے پس وہ پانی بھی جس سے یہ دل کی لگی بجھ سکے دل ہی میں موجود ہے۔

انسان کا دل بذاتہ بہت بڑا وسیع عالم ہے جس میں لاتعداد ذہنی قوتیں اور بیشمار چیزیں موجود ہیں۔ مگر یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ان میں وہ کونسی چیز ہے جو آب حیات کا اثر رکھتی ہے۔ جس کو پیکر انسان ابدی خوشی حاصل کر سکتا ہے۔ ہزاروں فلسفیوں نے دریائے فکر میں غواصی کی مگر دُرِ مقصود ہات نہ آیا۔ لاکھوں دانشمندوں نے اس دقیق مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی مگر طریق نجاۃ کے دریافت کرنے میں قاصر رہے اور سعی مشکور نہ ہوئی۔

بظاہر یہ حسرت انسان کے ساتھ ہی دفن ہوتی نظر آتی تھی۔ مگر حقیقی کارساز کا کوئی کام ادھورا نہیں ہوتا اُس نے ابدی خوشی کا رستہ بتانے کے لئے رہنما پیدا کئے جن کے نورانی قالب میں نور پاک نے جلوہ دکھا کر انسان کو سیدھی راہ چلنے کی ہدایت کی مگر ایک ہی وقت میں ایک ہی رہنما نے اس اہم امر کی تکمیل نہیں کی مختلف زمانوں میں دنیا کے متفرق حصوں میں متعدد رہنماؤں کا ظہور ہوا۔ یوں سالہا سال میں یہ دشوار مرحلہ طے کیا گیا۔ یہ بہت صاف کھلی ہوئی بات ہے کہ جب انسانی خلقت الگ الگ فرقوں میں منقسم ہو گئی ہر فرقہ کی تعلیم و تہذیب میں اختلاف پڑا۔ ہر فرقہ کے حکما اور دانشمندوں نے مختلف رائیں ظاہر کیں اور جداگانہ قواعد مرتب کئے تو کل فرقوں میں تعصب آمیز اور باطل خیالات پھیل گئے جو رہنمائے اول کے بحر فیض کی روانی کے سدباب ہوئے اور اس کی ہدایات تعلیمات بنی آدم کے کل فرقوں میں نہ پہنچ سکیں۔ یا جہاں پہنچیں وہاں

اُن کے معنی غلط سمجھے گئے اور اُن میں طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں۔ اس لئے دنیا میں اور رہنماؤں کی ضرورت ہوئی تاکہ پہلے رہنما کی تعلیمات گمراہوں کو شرح وبسط کے ساتھ سمجھائیں یا جہاں وہ ہدایات نہ پہنچیں ہوں وہاں اُن کی اشاعت کریں۔

کرم (عمل) گیان (علم) اور بھگتی (عشق) یہ تین بڑے اصول خدا تعالےٰ نے اپنے رہنماؤں کی سوانح عمری اور زبان سے انسان کو عطا کئے۔ انھیں اصول اعظم کا مجموعہ ابدی خوشی حاصل کرنے کا رستہ ہے۔ ہماری سمجھ میں آنے سے قبل یہ حکم آلہی ہم کو کئی دفعہ سمجھایا گیا پہلے ہم نے لفظ عمل سنا اور اعمال کو علم اور عشق پر ترجیح دی اور تحقیق انیق کے بعد بہت سے مسائل ذہنی وضع کئے تاہم ہمارے ذہن میں آیا کہ در اصل اس لفظ کا مفہوم کیا ہے۔

ایکہزار سال بعد دوسرے رہنما کا ظہور ہوا جس نے یوں لفظ عمل کی تشریح کی کہ علم کے کمال سے فرائض کو پہچانا یعنی اعمال سے سچے اور پاک اعمال مراد ہیں۔ اس رہنما کی ذات عشق آلہی کا وجود تھی۔ عوام الناس نے اسکے خلاف طہارۃ کو عشق سے برتر قرار پایا۔

دوہزار برس بعد تیسرا ہادی پیدا ہوا جس نے عشق آلہی کی تفسیر کی اور بیان کیا کہ قدرت کاملہ اور اُس کے خالق کا عشق کامل ہی علم ہے جو متبرک اعمال کو روشن کرتا ہے طہارۃ خواہ کیسی ہی مکمل کیوں نہ ہو قادر مطلق اور اُس کی قدرت کاملہ کے عشق بغیر بہشت کا رستہ نہیں بتا سکتی۔

انسان کی نافہمی پر کمال افسوس ہے تین مرتبہ حکم آلہی یعنی عمل۔ علم اور عشق غلطی نہ کرنے والی آوازوں سے سُنا اور ہر مرتبہ اُس کے مطلب سمجھنے سے محروم رہا

اس لئے اس ایک حکم سے بہشت کے تین مختلف رستے پیدا ہو گئے۔ بعضوں نے عمل یعنی کرم کانڈ اختیار کیا۔ اور قربانی پرستش۔ بندگی عبادۃ وغیرہ اس سے مراد لی بعض نے علم یعنی گیان کانڈ کو ترجیح دی۔ سچی اور سخت اخلاق پاکیزگیوں۔ ریاضت اور شوا قیود مذہبی کو راحت جاودانی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ بعض نے بھگتی مارگ یعنی عشق الٰہی میں بیخود اور وارفتہ ہو کر تلقین کیا کہ رقص و سرود۔ تصور، اور خالق مطلق کی محبت ہی صرف ایسا جہاز ہے جو انسان کو اس بحر ناپیدا کنار کے ساحل پر پہنچا سکتا ہے فلسفیانہ خیالات اور تعصب مذہبی نے اس جلتی ہوئی آگ کو اور بھی مشتعل کر دیا اور انسانی خلقت مذہبی قیود اور متعصبانہ رسوم کے ناہموار میدانوں میں ٹھوکریں کھانے لگی۔

انھیں تین رہنماؤں پر عالم کی رہنمائی ختم نہیں ہو گئی۔ دنیا کے مختلف حصوں میں چند اور رہنما بھی گزرے جنھوں نے یہی تین اصول اعظم تلقین کئے یا زمانہ کی حالت اور اُن ملکوں کی ضرورۃ کے موافق جہاں اُن کا ظہور ہوا یہ اصول ثلاثہ یا اُن کے حصے واضح کر کے سمجھائے اس طرح متفرق حصص عالم میں متعدد رہنماؤں کی رسالت مختلف مذاہب کے قیام کا باعث ہوئی۔ اُدھر حکما اور دانشوروں نے ہر مذہب میں غور و فکر کے بعد دخل در معقولات کیا۔ ادھر مصلحان قوم اور بزرگان دین نے جو اپنے علم و فضل کے غرور سے خود بیں ہو رہے تھے ترمیم و تنسیخ شروع کر دی الغرض ہر طبقہ کے عقلمندوں نے اپنے اپنے خیالات کے مطابق مذہبی قواعد اور اُصول منضبط کئے اور اصل مطلب فوت ہو گیا۔

دراصل ہندوؤں میں یہ چار اعلیٰ درجہ کے رہنما ہوئے ہیں۔ پہلا رہنما پیدائش

ہی کے دن سے نبوت کی قابلیت رکھتا تھا اور نور مقدس کا مجسم اوتار تھا۔ یہ صرف زمانہ کے سلسلہ ہی میں دنیا کا پہلا رہنما نہ تھا بلکہ ہر معنی میں اول رہنما ہونے کا مستحق تھا۔ کیونکہ جن رہنماؤں پر اس کو تقدم کا فخر حاصل تھا انھوں نے اسی کی تعلیمات کی تائید کی یا اُن کی شرح اور وضاحت کے ساتھ تلقین کی باقی اور تین رہنما پیدائشی اوتار نہ تھے جب اُن میں رسالت کی قابلیت اور انوار الٰہی کے ضبط کی طاقت پائی گئی اُسوقت اُن کا جسم خاکی پاک نور سے منور ہوا۔ یہ رہنمائے اول کے کلام کے شارح تھے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ ان چار رہنماؤں کے علاوہ ہندوؤں میں چند اور بھی رہنما گزرے ہیں لیکن معمولی خیالات کے آدمیوں نے عموماً غلطی سے رشیوں اور سنتوں کو بھی رہنما مان لیا ہے۔ رشی یعنی علما وہ لوگ ہیں جنھوں نے برسوں کی کتب بینی اور مراقبوں سے علم الٰہی حاصل کیا ہے۔ سنت یا فقرا وہ ہیں جن کو خداشناسی کی عقل دی گئی ہے جسکی بدولت وہ اپنی ذاتی تربیت اور جسمانی ریاضت سے ابدی خوشی کا لطف اُٹھاتے ہیں۔ اور رہنما وہ ہیں جن کے قالب خاکی میں نور مقدس کی روشنی گمراہ انسانی خلقت کو بہشت کا رستہ دکھانے کے لئے چراغ ہدایت کا حکم رکھتی ہے۔

پہلا رہنما ایک کامل شخص تھا ہم اُس کی سوانح عمری میں اول سے آخر تک عمل ہی کی فضیلت پاتے ہیں۔ اُس کی زندگی کا اصل مقصود عمل تھا۔ دوسرا رہنما طہارۃ اور پاکیزگی میں بے نظیر ہوا۔ تیسرا عشق الٰہی کا وجود تھا۔ چوتھا توحید کے مسئلہ میں فرد تھا۔ ان کے سوا اور رہنما ان چاروں کے مقلد تھے۔

سوانح عمری سری کرشن

تقریباً چار ہزار برس پہلے ایک قوم گنگا اور جمنا کے دلکش وادی میں آباد تھی۔ جب اس قوم کی تہذیب اور شائستگی اوج کمال پر پہنچی بڑے بڑے فلسفی اور متبحر عالم ان لوگوں میں پیدا ہوئے جنھوں نے روحانی خوشی کا رستہ دریافت کرنیکے لئے بڑا دماغ صرف کیا۔ دنیوی تکالیف سے نجات پانے کے لئے بہت کچھ چھان بین کی دقیق مسئلہ انسانی کو حل کرنے کے مختلف طریقوں پر بڑے شد و مد کے ساتھ مکالمے اور مباحثے کئے مگر کوئی قابل اطمینان نتیجہ پیدا نہیں ہوا۔ ابدی خوشی جاودانی راحت و سعادت دنیا و آخرت حاصل کرنے کے واسطے مذہبی عقائد کے موافق جو طریقے ایجاد ہوئے انکی تکمیل کے لئے مختلف قواعد و اصول اور بہت سی رسوم قربانی وغیرہ اختراع کی گئیں تاہم نوع انسان کی پیاس نہ بجھی اور اُس چشمۂ حیوان تک جس کا آب مصفا زندگی جاوید بخشتا ہے۔ پہنچنے کی کوشش کرتا رہا۔

آخر کار دریاے رحمت آلہی موجزن ہوا اور نور پاک نے آسمان سے نزول فرماکر ایک ملکوتی صفات رہنما کے قول و فعل سے انسان کو اُس رستہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی

چو سے سیدھا ابد آباد کو چلا گیا ہو۔

یہ قدسی صفات رہنما سری کرشن مہاراج تھے۔ انھوں نے ممالک متحدہ کے مشہور شہر متھرا میں ظہور فرمایا جو دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے۔ اس شہر کے کنارے دریائے جمنا کی روانی نے کوسوں تک زرخیز زمین کو سرسبز اور سیراب کرکے ایک خوشنما منظر بنا دیا تھا۔ دریا کے اوپر کی جانب تھوڑے فاصلہ پر تمال کا سرسبز جنگل تھا۔ ہر سمت تمال[۵۱]۔ بکل[۵۲] اور کدم کے جھالرے درختوں کے گنجان جھنڈ تھے جن کے درمیان تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر لہلہاتے ہوئے سبزہ زاروں میں جابجا سایہ دار درختوں کے تلے پاکیزہ اور خوشگوار چھوٹے چھوٹے چشمے جاری تھے۔ اس کے دلکش مرغزاروں میں خوبصورت ہرن غول کے غول ہری ہری دوب پر کلیلیں کرتے اور سیکڑوں دلربا طاؤس پھولے پھلے درختوں کے سائے میں ناچتے تھے۔ یہ مقام باشندگان متھرا کا تفریح گاہ تھا۔ یہاں نوجوان قوم اپنے عیش و عشرت کے جلسوں میں دن ہولی رات دوالی کے لطف اُٹھاتے اور بزرگان خاندان بھگت اور قربانیاں کرتے تھے۔ یہاں یادوں خاندان کی نوخیز کواری لڑکیاں رنگ رلیاں مناتی اور کتخدا عورتیں فرصت کے وقت جی بہلاتی تھیں۔ غرضکہ یہ فضا بندرابن دریائے جمن کے کنارے متھرا کے ہر چھوٹے بڑے، امیر غریب، برنا و پیر کا رمنا تھا۔

متھرا سے چل کر تھوڑی دور پیچھے کی طرف لب دریا ایک سرسبز گاؤں گوکل

---

۵۱ یہ درخت نواح بندرابن میں اب بھی اسی نام سے مشہور ہے ۵۲ مولسری۔ مترجم

آبادی - یہ گوالوں کی بستی تھی جو جسمانی قوت، تندرستی، فارغ البالی کے لحاظ سے [illegible]
وجاہت وارفتگی اور سادہ دلی میں ضرب المثل تھے۔ ان کی دولت [illegible]
تھی کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس کثرت سے [illegible] مویشی [illegible]
دریا کے کنارے کوسوں تک سرسبز و شاداب [illegible]
مویشیوں کی چراگاہیں تھیں۔ اسی لئے وہ لوگ [illegible] آزادی اور سادہ مزاجی
کے ساتھ خوش گزران زندگی بسر کرتے تھے۔ [illegible]
اور سادہ مزاج تھیں اس کے ساتھ ہی [illegible] کہ ان کی رگ
رگ میں کوٹ کر بھری تھی۔ غرض گوکل میں تندرستی، فارغ البالی اور [illegible] کے
ہر طرف دور دور سے تھے۔ اسی سے یہ سواد خطہ ایسا دلچسپ تھا کہ یہاں پیدا ہو کر
رہنے کی تمنا کرتے۔

اُس زمانہ میں جس کا ہم بیان کرتے ہیں اس شیر دل فرقے کے سرگروہ نند جی
تھے۔ ان کے سوا اور کوئی شخص ایسا نیک اور لائق نہ تھا جو اس سادہ دل قوم کا سرگروہ
بنایا جاتا۔ ان کی زوجہ جسودھا بھی تمام حمیدہ خصائل میں ان کی ہمسر تھیں۔ گوکل کے
سب مرد و زن ان دونوں کو عزیز رکھتے، معزز سمجھتے۔ ان سے خائف اور ان کے فرمانبردار
رہتے تھے۔ نند جی کا اخلاق اسقدر وسیع تھا کہ متھرا کے شاہی خاندان میں بھی ان کی
عزت ہوتی تھی۔ اس وقت متھرا کا حکمران راجہ کنس تھا۔ اُس کے ظلم [illegible]
اور سخت گیری سے جو اُس کے خمیر میں تھی رعایا اُس سے نفرت کر رہی تھی اور دشمن [illegible]

[illegible] اس کے شاہی رعب اور سلطانی جبروت سے کسی کو اس کے خلاف [illegible]

[illegible] تھا۔

ظالم حکمران اپنی عینیت سے ہر وقت خائف و مشکوک رہتا [illegible]

[illegible] تحت میں تھا اسے بھی ہر دم یہی خوف دامنگیر رہتا تھا [illegible]

[illegible] اس امر کے دریافت کرنے [illegible]

[illegible] کس شخص سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے تاکہ بطور حفظ ما تقدم اس سے محفوظ

رہنے کی کوشش کرے۔ [illegible] نجومیوں سے معلوم ہوا کہ اس کی بہن دیوکی کا آٹھواں

فرزند اس کا قاتل ہوگا۔ اس نے فوراً اپنی بہن دیوکی اور اپنے بہنوئی واسدیو کو

مقید کر کے مار ڈالنے کا قصد کیا جس سے ان کی آئندہ نسل کا خاتمہ ہی ہو جائے

یہ دونوں قیدی راجہ کے قدموں پر سر رکھ کے رحم کے ملتجی ہوئے اور پاک حلف

اقرار کیا کہ ہم اپنے کل بچے راجہ کے حوالے کر دیں گے اور وہ معصوم پیدا ہوتے ہی ہلاک

کئے جائیں گے تب بھی اف نہ کریں گے۔ اس گریہ وزاری نے سنگدل راجہ کے

دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ اس تجویز پر راضی ہو گیا۔ اس نے ان دونوں کو اپنے محل ہی

میں قید رکھا اور پوری پوری نگہبانی کی کہ قیدی اپنے نوزائیدہ بچوں کو کسی خفیہ

طریقہ سے علیحدہ نہ کر سکیں۔

علی التواتر سات بچے پیدا ہوئے اور راجہ کے حوالے کر دیئے گئے۔ راجہ نے

بخیال مزید حفاظت خود ان سب کو ہلاک کیا۔ آخر کار کمبخت قیدیوں نے دل میں ٹھان لی

کہ خواہ کچھ ہی نتیجہ کیوں نہ ہو ایکبار جنی اور اپنے پیارے بچہ کی جان خونخوار راجہ کے غضب سے ضرور بچائیں گے۔ اس مرتبہ نہایت حسین صاحب جمال فرزند دیوکی کے بطن سے پیدا ہوا۔ واسدیو نے فوراً اُسے کپڑے میں لپیٹ کر اپنے آغوش میں چھپالیا اور محافظین کی نظر بچا کر مجلس سے باہر نکلے۔ قمری مہینہ بھادوں کی آٹھویں رات تھی ہر ذی روح کے دل میں جوش انبساط پیدا کرنے والا برسات کا موسم شباب پر تھا۔ جمنا کی طغیانی نے قریب قریب دونوں کناروں کو اپنے پاٹ دار دامن میں لپیلیا تھا۔ نیلگوں آسمان پر کالی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ بجلی کی چمک، رعد کی کڑک آسودگان خاک کی میٹھی میٹھی نیند میں خلل اندازی کر رہی تھی۔ مینھ موسلا دھار پڑتا تھا اور ہوا بڑے زناٹے سے چل رہی تھی۔ گویا قدرت کاملہ جوش میں آکر مستانہ وار اٹھکھیلیاں کر رہی تھی۔ واسدیو اپنے لخت جگر کو آغوش میں لیکر گوکل کو روانہ ہوئے طوفان خیز دریائے جمنا کو کسی نہ کسی تدبیر سے عبور کر کے نند جی کے مکان پر پہنچے اسی شب نند جی کے یہاں بھی لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ اس وقت گوکل میں ہر طرف سناٹا تھا کوئی منکتا تک نہ تھا۔ اس ڈراؤنی رات میں خاموشی کے سوا اور کیا ہوتا سب اپنی اپنی جگہ دبکے دبکائے پڑے تھے۔

گوالوں کے سردار نند جی واسدیو کے بڑے مخلص دوست تھے۔ ان دونوں دوستوں نے باہم مشورہ کر کے اس لڑکے کی پیدائش سے پیشتر ہی اُس کی جانبری کے لئے مفید تدابیر سوچ لی تھیں اور ہر قسم کا انتظام کر لیا تھا۔ اسکے سوا واسدیو کی دوسری

بیوی روہنی مع اپنے فرزند بلرام کے گوکل میں رہتی تھیں اس طور پر یہ نند جی اور جادو خاندان میں بہت اتحاد تھا۔ انھیں لوگوں کی مدد سے سری کرشن کی حفاظت کے لئے بہت غور و تامل کے بعد نہایت مدبرانہ کارروائی کی گئی اور اس میں کامیابی ہوئی۔

اس وقت گوکل کے باشندے آرام سے پاؤں پھیلائے گہری اور میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی کہ نصف شب کو کیا ماجرا گزرا اور اس طرح وہ بچہ جو بیرحم راجہ کے ہاتھ سے مارا جاتا بچ نکلا۔ دوسرے روز صبح کے وقت کنس کو معلوم ہوا کہ اس کی ہمشیرہ نے لڑکی جنی ہے۔ وہ اس لڑکی کو فوراً باہر نکال لایا اور اس کے قتل کا حکم دیا۔

جسودھا نے واسدیو اور دیوکی کے نور بصر کو بڑی شفقت مادری سے دودھ پلایا اور نند جی نے بڑی احتیاط سے اس کی پرورش کی۔ اس جادون خاندان کے شاہزادہ نے گوکل میں گوالوں کے بچوں کی طرح نشو و نما پائی اور سارے گاؤں والوں کی مسرت کا باعث ہو گیا۔ گوال اور گوالنوں نے اس کے مختلف نام رکھے مگر ہم یہاں صرف دو ہی نام لکھتے ہیں۔ ان کی ماں انھیں کنہائی کہکر پکارتی تھیں اور گوالوں کے فرقہ میں ان کا نام سری کرشن مشہور تھا۔

گوالوں کے لڑکوں کی تعلیم اور تربیت ظاہر ہی ہے۔ لکھنے پڑھنے کا ان لوگوں میں چرچا مطلق نہ تھا۔ پھر اس قوم کے لڑکوں کو سائنس فلسفہ اور زباندانی کے بھنور میں پڑنے کا کبھی بھولے سے بھی کیوں خیال آتا۔ سری کرشن نے ہوش سنبھالا تو گلہ بانی کی

بانسری

خدمت اُن کے بھی سپرد کی گئی۔ وہ ہر روز گاؤں کے لڑکوں کے ساتھ چرانے جانے لگے۔ سری کرشن گو کہ علم و فن سے بہرہ ور نہ تھے تاہم بانسلی بجانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان کی بانسلی کی خوش آیند صدائیں اور سریلی راگنیاں ایسی دلکش ہوتی تھیں کہ گوکل کی گوالنیں انھیں سنکر مست ہو جاتی اور عالم بے خودی میں رقص کرنے لگتیں۔ اس بانسلی نے سری کرشن کی آخر عمر میں ناقوس کا بھیس بدلا جس کی ہولناک اور آواز خون ریز معرکوں میں نامور جری اور بہادر لوگوں کے دلوں میں جوش و خروش پیدا کر دیتی تھی۔

جمنا کی روانی سے گوکل بہشت بریں کا نمونہ تھا ہی جب سے سری کرشن کا ظہور ہوا وہاں ہر شخص کے دل میں عشق و محبت کا دریا موجیں مارنے لگا۔ دنیاوی عیش و نشاط کی کھیتیاں اُس دریا سے لہلہاتی تھیں تو اس روح پرور چشمہ کی روانی سے ہر ذی روح کے دل میں روحانی خوشی کا نو دمیدہ سبزہ جھلک دکھانے لگا۔ ہر ایک مکان باطنی اطمینان اور روحانی فرحت کا کشت زار ہو گیا۔ شیر خوار سری کرشن اپنی ماں کے لاڈلے دہقانوں کی شادمانی کا ذریعہ۔ بچہ سری کرشن عورتوں کے پیارے کھلونے۔ طفل سری کرشن لڑکوں کے عزیز رفیق اور ساتھی بنے تھے۔ گوکل کے سب مرد و زن انھیں ازحد پیار کرتے مگر اس بے انتہا محبت کا سبب کسی کی سمجھ میں نہ آتا وہ اپنے بچوں کو بھی عزیز رکھتے تھے مگر سری کرشن کی محبت اُن کی الفت سے بدرجہا زیادہ تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس محبت کا درجہ اُس الفت سے جو قدرت نے انسان کے دل میں پیدا کی ہے کہیں برتر تھا۔ سری کرشن

سے پرے ہی نہیں بلکہ پیدا ہوتے ہی شرارتیں کرنے لگے تھے۔ وہ ہمسایوں کے مکانوں
اور چپکے سے گھس جاتے گائے بچھڑے کی چیزیں خصوصاً دودھ دہی مکھن کی چھینکیاں
گرا دیتے برتن توڑ ڈالتے اور اس قسم کے ہزاروں نقصان کرتے مگر وہ سب ان کے کچھ
ایسے گرویدہ ہو گئے تھے کہ ان تمام نقصانوں کو خوشی کے ساتھ برداشت کرتے
اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے تھے۔ اس بچپن کی شرارت اور ہمسایوں کی
ایذا رسانی کا بہت جلد اسی وقت خاتمہ ہو گیا جب سری کرشن اپنے باپ کی مویشیوں
کی حفاظت و نگہبانی کے واسطے چراگاہ جانے کے لئے مجبور کئے گئے۔ یہ بات جسودھا
جی کی مرضی کے بالکل خلاف تھی۔ لیکن مجبوراً انھوں نے نہایت ناخوشی اور بیدلی
سے سری کرشن کی جدائی گوارا کی۔ اور بار بار سمجھا کر کہا "پیارے فرزند گھر سے بہت
دور نہ جانا۔ خوفناک دریائے جمنا کو عبور نہ کرنا بلکہ دریا کے پاس تک نہ پھٹکنا۔ مجھے
اس بات کا ہر دم کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں اگھ کنس تمہیں نہ دیکھ پائے۔ تیز دھوپ میں
ادھر ادھر نہ پھرنا۔ غرض اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں کرتیں۔ جب سری کرشن اپنے
ساتھیوں کے ہمراہ گائیں لیکر چراگاہ جانے کو تیار ہوتے جسودھا جی وہ کھانے جو پیارے
کنہائی کو زیادہ تر مرغوب تھے ان کے ساتھ رکھدیتیں اور بہ تکرار تاکید کر دیتیں جب
بھوک لگے ان کو کھا لینا۔ اور خود گھر کے دروازہ پر کھڑی ہو کر محبت بھری نگاہوں سے
شفیق ماں کی طرح الوداع کے طور پر سری کرشن کو چلتے ہوئے دیکھا کرتیں۔
رشکے سری کرشن کی نسبت ایسے ہونے ہو رہے تھے کہ ان کے پیارے

کہیں گائیں چراگاہ نجاتے تو وہ بھی وہاں جانے سے جی چراتے۔ بغیر شرکت و موجودگی سری کرشن کے کوئی کھیل نہ کھیلا جاتا اور نہ کبھی ایسے کاموں کا کچھ اہتمام ہوتا۔ سری کرشن ان لڑکوں کے دوست اور سردار ہی نہ تھے بلکہ اُن کے نزدیک وہی سب کچھ تھے۔ وہ اُنھیں طرح طرح کے کھیل کھلاتے۔ نئی نئی بازیاں ایجاد کرتے۔ اپنی محبت لبھاتے اور بانسلی کی میٹھی میٹھی تانوں سے تفریح بخشتے تھے۔ سری کرشن نے اپنے لڑکپن کے زمانہ میں اکثر معجز نما اور فوق العادۃ باتوں کا اظہار کیا۔ بہت سے قوی ہیکل جانور، اور خونخوار جنگلی درندے مارے۔ ایک مرتبہ دریائے جمنا میں ایک اژدر وہاں کالا سانپ مارا جسے کالا ناگ کہتے ہیں۔

رفتہ رفتہ سری کرشن دائرہ محبت کے مرکز ہو گئے۔ انھوں نے اپنے گرد فرحت و انبساط کی ایک نئی دنیا پیدا کرلی۔ تیرہویں سال شروع ہوتے ہی اُنھوں نے گوکل کی کُل دوشیزہ لڑکیوں کو لبھا لیا۔ اُن کی حُسن و خوبی خوش مزاجی۔ محبت اور جادو بھری بانسلی کے سحر فن نغموں کی بدولت وہ انپر بے اختیار فریفتہ ہو گئیں۔

صبح و شام وہ سب جمنا اشنان کرنے پانی بھرنے جاتی تھیں رستہ میں سری کرشن سے ملاقات ہوتی تھی۔ باہمی گفتگو۔ آپس کے اشارے کنائے چہل ادول لگی میں بہت وقت صرف ہونے لگا۔ چند روز میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ یکے بعد دیگرے سب سری کرشن کی عاشق زار ہو گئیں اور سری کرشن بھی اُن سے محبت کرنے لگے رفتہ رفتہ وہ سب گرداب عشق میں ایسی پھنسیں کہ رہائی دشوار ہو گئی۔ دن کو سری کرشن کے

پاس اُنکے ساتھیوں کے جمگھٹ رہتے تھے اور گوپیونکو بھی خانہ داری کے کاموں سے فرصت نہو تی تھی اشنان گھاٹ یا پنگھٹ کے رستہ کی ملاقاتوں سے اُن کے آرزومند دل تسکین نہ پاتے تھے۔ لہٰذا گوپیوں نے چاندنی راتوں میں قرب وجوار کے باغوں چمنستانوں اور سبزہ زاروں میں سری کرشن سے ملنا شروع کیا۔ وہاں وہ بانسلی کی آواز کے اشارے پر دوڑ دوڑ کر جاتیں اور کنجوں میں جہاں پاک محبت اور سچی خوشی کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا اپنے روحانی محبوب کیساتھ مختلف کھیل تماشوں کا لطف اُٹھاتیں۔ سری کرشن جسطرح چراگاہوں میں لہو ولعب سے گوالوں کو مسرور کرتے اُسیطرح گوپیوں کی خوشی کیلئے باغوں اور کنجوں میں طرح طرح کے کھیل تماشے اور دعوتیں کیا کرتے تھے۔ ان مختلف کھیل اور تفریحوں سے یہاں ہم صرف دو ہی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ بارش میں جھولے ڈالے جاتے اور موسم بہار میں گلال اور عبیر کے قمقمونسے ہولی کھیلی جاتی گوکل کی سب گوپیاں اور گوال ان دونوں تقریبوں میں شریک ہوتے تھے۔

سری کرشن کے کھیل تماشوں دلکش نغموں اور عالمگیر محبت نے جن گوپیوں اور لڑکوں کو اُنکی طرف رجوع کر دیا تھا وہ صرف گوکل یا صرف اُنھیں کے فرقہ کے نہ تھے بلکہ اکثر دُور دُور سے اُنکی بزم عشرت میں شامل ہونیکو آتے تھے۔ دور تک جمنا کے دونوں کناروں کے دیہات اور شہر متھرا کے لڑکے لڑکیاں سری کرشن کے گرد جمع ہوتے اُنسے محبت واُلفت کرتے اور اُس روحانی خوشی کا جو وہ سبکو بید ریغ بخشتے تھے لطف اُٹھاتے تھے۔ اس پاک اور سچے عشق میں جسمیں دریا کے دونوں

کناروں کے گاؤں کی عورتیں مبتلا تھیں شہوت پرستی نام کو بھی نہ تھی کیوں کہ جب یہ واقعات گوکل میں گزرے سری کرشن کی عمر صرف گیارہ برس کی تھی۔

ایک مرتبہ سری کرشن نے رقص دائرہ کا ایک بڑا جلسہ قرار دیا۔ اسکے لئے گوکل کے فرحت افزا باغوں اور سبزہ زاروں کے سوا تبدرابن جیسی دلاویز جگہہ کے رمنے ہی مناسب مقام تجویز ہوئے جو اپنی جوش فزا اور دلربا قدرتی نزہت کی سبب اہل شہر کیلئے تفرّج گاہ تھے جنھیں جمنا کے شفاف پانی کی روانی اور اسکی بخشی ہوئی شادابی اور بوقلموں اشجار کے پتوں کے مختلف رنگوں کی بہار نے عجیب و بجیب قدرتی عیش باغ بنا دیا تھا۔ وقت بھی بہت سہانا خزاں کی پورنماسی کی شب ماہ مقرر ہوا جبکی نکھری نکھری چاندنی سے تمام دُنیا جگمگا اُٹھتی ہی۔ اسی دلکش مقام اور اسی سُہانے وقت میں یہ رہس کا جلسہ بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوا قرب و جوار کی تمام حسین نازنین نوجوان گوپیاں بیش بہا پوشاکیں زیب تن کئے پھولوں کے زیور پہنے۔ عطر میں بسی خرام ناز سے قدم قدم پر نالبرق کہتی آئیں اور رقص میں شریک ہوئیں۔ اس عظیم الشان جلسہ کی تعریف میں بڑی بڑی شعرائے نازک خیال کو چُپ لگ گئی ہے اور اعلیٰ درجہ کی جادو بیان مقرر دم بخود رہگئے ہیں تو یہی مناسب معلوم ہوتا ہی کہ ہم اسکا قصد ہی نہ کریں۔

عورتیں لڑکے لڑکیاں اور بچے ہی سری کرشن کی سلطنت عشق کے پائگزار نہ تھے۔ اُن کے فرقے کے سارے گوال اور کل مذہبوں اور ملتوں کے شخص بھی اس قربان گاہ کے شہید تھے۔ وہ سب ہر امر میں بغیر کسی شرط کے انکے مطیع اور

فرمانبردار ہوگئے تھے۔ اُنکا عشق رشتہ داری کے تعلقات۔ آدابِ صحبت کی قواعد اور کل دنیاوی تفکرات پر فایق تھا سب پیر و جوان اور ہر خاندان کے محترم سرپرست سری کرشن کے قدمبوس ہوتے اُنھیں اپنا پیشوا اور سردار مانتے تھے۔ اب ہم آپکو ایک واقعہ سُناتے ہیں جس سے سری کرشن کے اقتدار کی وسعت جو اُنھیں اپنی قوم پر حاصل تھا بخوبی واضح ہو جائیگی

ایکدن گوکل کے سب ترگ ایک بڑے جگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ اُس زمانے میں ایرین۔ اندر دیوتا کی خوشنودی اور رضاجوئی کیلئے بڑی بڑی قربانیاں کرتے تھے۔ اندر بارش کا دیوتا مانا جاتا تھا اور بارش کی زراعت کیلئے اشد ضرورت ہوتی ہی پس اندر دیوتا اور دیوتاؤں کی بہ نسبت اُسکی پرستش بہت زیادہ ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اس موقع پر سری کرشن نے بالکل نیا مذہب تعلیم کیا اور اُس مذہب کے خلاف وعظ کہا جو اُسوقت بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اِس نئے وعظ و تلقین نے اُن لوگوں کے دلی عقائد کو بالکل پلٹ دیا اور اُنھیں قدرت پرستی کیجانب رغبت دلائی۔

سری کرشن نے اپنے پدر بزرگوار سے دریافت کیا کہ "یہ انتظام کسلئے ہو رہا ہی؟ آپ سب اسمیں اسقدر کیوں مشغول ہیں اور کس کی پرستش کرنی چاہتے ہیں" نند نے جوابدیا۔ پیارے فرزند۔ بموجب رسم زمانہ ہم اندر دیوتا کے حضور میں ایک قربانی پیش کیا چاہتے ہیں۔ اندر بارش کا دیوتا ہی جسکے حکم سے مینھہ برستا ہی۔ کیونکہ بارش ہی سے زمین زرخیز ہوتی ہی اور زمین کی پیداوار ہی پر انسان کی زندگی۔ فلاح اور آرام کا دارومدار ہے

اُسیوقت اُسی عالم طفولیت میں سری کرشن نے بزرگان گوکل کو ایک نئے

مذہب کی تلقین کی۔ گو وہ اُنکے لڑکپن کا زمانہ تھا۔ اُنھوں نے علم و ہنر کچھ حاصل نہ کیا تھا نہ ہی تعلیم پائی تھی۔ وہ صرف ایک گوال کے لڑکے تھے تاہم اُنکے الفاظ نے ایسا اثر ڈالا کہ سب نے اُنکی بیعت قبول کی اور زمانہ کا موجودہ معزز و مقبول مذہب بکمال ہا ہر ہو گیا۔

سری کرشن نے فرمایا" انسان کی ہستی اُسکے اعمال کا لُب لُباب ہی انسان کی پیدایش۔ راحت و مصیبت۔ نیکی و بدی۔ سب اُسکے اعمال پر منحصر ہی۔ انسان سے اعمال سرزد نہ ہوں تو اُسکو سزا جزا کسی قسم کی نہیں ملسکتی۔ دُنیا میں اگر کوئی شے اعلیٰ اور برتر سمجھی جائے تو وہ صرف اعمال ہو سکتے ہیں۔ اندر کی پرستش ایک فعل عبث ہی اُسکے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہی۔ کل عالم قدرت کاملہ سے وابستہ اور قدرت خالق اکبر کا فعل ہے۔ پس فعل خدا ہے۔

ہماری زندگی افعال پر مبنی ہی۔ ہمیں اپنی زندگی منظور ہی تو ضرور فاعل بنیں۔ اسلئے وہ چیز جو ہمیں زندہ رکھتی ہی قابل پرستش ہی۔ گائیں ہماری وجہ معاش ہیں یہ چراگاہ اور سامنے والی پہاڑی ہماری گایونکی پرورش کا ذریعہ ہیں ہمکو اُنھیں کیواسطے قربانیاں کرنی مناسب ہیں۔ اندر کی پرستش فضول ہی۔

سری کرشن بالکل کم سن تھے مگر اُن لوگوں کے لوح دل پر اُنکی محبت اور عظمت کا نقش کچھ ایسا مرتسم ہو گیا کہ وہ روحانی بہبودگی کیلئے اپنے قدیم مذہب کو پامال کر کے سری کرشن کے پیرو ہو گئے اور اُنکے ساتھ گوبردھن* پہاڑ پر جا کر قدرت کاملہ

---

* گوبردھن پہاڑی سے مُراد ہی۔ مترجم

کی پرستش میں مشغول ہوئے۔

یہ حیرت انگیز واقعات پوشیدہ نہ رہسکے۔ گھر گھر سری کرشن کا نام مشہور ہو گیا اُنکے کارہائے نمایاں زبان زد ہر خاص وعام ہو گئے۔ متھرا کے ہر گلی کوچہ میں ہی اُنکی عظمت کا شہرہ نہیں ہوا بلکہ ساری قلمرو میں دھوم مچگئی۔ راجہ کنس نے اسکی سُن گن پائی تو اُسے بہت اندیشہ ہوا۔ کنس اسوقت سری کرشن کو ایسا مضرت رساں نہ جانتا تھا۔ تاہم اس سے پہلے سری کرشن کے حالات کے تجسس کیلئے خفیہ طور سے مخبر۔ جاسوس مقرر کئے گئے تھے اور چند مرتبہ انکی ہلاکت کی کوشش بھی کیگئی تھی۔ اب اس واقعہ نے اُسے بہت ڈرایا اور جسوقت اُسے معلوم ہوا کہ سری کرشن نند کے بیٹے نہیں بلکہ اُسکے ہمشیرزادے یعنی دیوکی کے فرزند ہیں۔ جنکے لئے اُسنے اتنے معصوم بچوں کا خون بہایا ہے تو اُسکے اور بھی رہے سہے حواس غائب ہو گئے۔ کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑی۔ غصہ سے تھرتھر کانپنے لگا اور آنکھونسے آگ کی چنگاریاں برسنے لگیں مگر دل ہی دل میں ضبط کرکے دم بخود رہ گیا۔ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ سری کرشن تمامی باشندگان متھرا کے معبود ہو گئے ہیں۔ کھلے بندوں اُنکے قتل کی کوشش کرنی گویا رعیت کے دلوںمیں بغاوت کا بیج بونا ہے۔ اسکے ساتھ ہی یہ بھی خوف تھا کہ فوجی سپاہی کرشن کا مقابلہ نہ کرینگے بلکہ ٹوٹ کر انہیں سے جا ملینگے اسلئے اُسنے سری کرشن کو دغا سے قتل کرنیکا قصد کیا اور جی میں ٹھان لی کہ جس تدبیر سے ممکن ہوگا دشمن کے ہلاک کرنیمیں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھونگا۔

ایک شخص اکرور متھرا میں رہتا تھا۔ سری کرشن سے اُسکا بہت اتحاد تھا راجہ کنس نے اُسے اپنے دربار میں طلب کرکے بڑی تعظیم و تکریم سے استقبال کیا اور بہت سے تحائف دیکر کہا "اے نیک مرد ہمنے سُنا ہے کرشن ہمارے ہمشیرزادے ہیں ہماری غیرت نہیں چاہتی کہ وہ ایک گھوسی کے لڑکے بن کر رہیں۔ اُنھیں متھرا میں آکر شاہزادوں کی طرح رہنا چاہئیے ہمنے یہ بھی سُنا ہے کہ سری کرشن کو تمسے بہت محبت ہے پس تم ہی اُنکو سمجھا بجھا کر بااعزاز تمام ایوان شاہی میں لے آؤ۔ وہ یہاں آکر اپنے خاندانی شاہانہ طرز معاشرت سے زندگی بسر کریں"

یہ شاہی پیام لیکر اکرور گوکل میں پہنچا تو وہاں شادی و غم دونوں کے متضاد اثر نے لوگوں کے دلونکی کچھ عجب حالت کردی جو خود اُنسے بیان نہ ہوسکتی تھی اور نہ اُنکے دل اسکے متحمل ہوسکتے تھے۔ سبکو سری کرشن کی قدرافزائی سے جسقدر خوشی ہوئی تھی اُتنا ہی رنج اور صدمہ انکی مفارقت نے اُنھیں دیا تھا سب اس ناقابل برداشت حالت سے بہت بیچین تھے۔ سری کرشن نے رخصت کیوقت سبکی تسلی تشفی کی۔ وعدہ کیا ہم بہت جلد واپس آئینگے اور "اکرور" کیساتھ متھرا کو سوار ہوگئے۔

راجہ کنس نے نہایت شفقت اور مہربانی سے سری کرشن کی آؤبھگت کی بڑی شان و شوکت سے انکے خیرمقدم کا جلسہ منعقد کیا اُنکی آمد کی خوشی میں طرح طرح کی تفریحات کا انصرام ہوا ان کھیل تماشوں میں ایک کُشتی زنی کی لڑائی بھی تھی۔ اسمیں سری کرشن سے بھی شرکت کی درخواست کیگئی۔ کنس نے خفیہ طور پر سری کرشن کی ہلاکت کے لئے

مشت زنوں سے اشارہ کر دیا تھا۔ سری کرشن فوراً تاڑ گئے کہ ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔ ادھر حاضرین جلسہ بھی راجہ کے فاسد ارادہ سے واقف ہو گئے اور یوں یہ راز سربستہ برملا کھل گیا۔

سری کرشن نے خونخوار مشت زن کو بڑی آسانی سے ہلاک کیا۔ اسکے بعد کنس پر حملہ کیا اور آن کی آن میں اُسے بھی جہنم واصل کر دیا۔ اُسوقت بڑی ہل چل پڑ گئی ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں آخر کار اہل متھرا نے متفق الرائے ہو کر سری کرشن کو تخت پر بٹھا دیا۔

سری کرشن کو تخت و تاج کی ہوس ہی نہ تھی۔ اُنھوں نے پیر کہن سال راجہ اُگر سین کو جو کنس کے بندی خانہ میں قید تھا طلب کیا اور کہا کہ مجھے سلطنت کی حاجت نہیں۔ نہ سلطنت کو میری ضرورت ہے۔ مجھے تو گوکل رہنے میں ہنسنے کے سوا کوئی بات بھی بھلی معلوم نہیں ہوتی۔ میں نے تمہارے فرزند کو تخت و تاج کی طمع سے قتل نہیں کیا ہے اُسکی بدکرداری حد کو پہنچ گئی تھی۔ وہ ظلم و تعدی سے اپنی رعایا کے حق میں بلائے بیدرماں ہو گیا تھا۔ میں نے فقط رعیت کی حفظ و امن کی غرض سے اُسکی جان لی ہے تمہارا تخت و تاج تمہیں مبارک ہو۔ تم جادوں خاندان کے معزز سرپرست ہو۔ میری یہی تمنا ہے کہ تم ہی تخت نشین ہو کر رعایا پر حکمرانی کرو۔

اس کے بعد سری کرشن کنس کی گریہ کناں بیوہ رانیوں اور دیگر اقربا کیطرف مخاطب ہوئے۔ انکو ہر طرح تسلّی و تشفی دی۔ اُنکے پاؤں پر سر رکھکر معافی مانگی۔ پھر شاہی جلوس سے کنس کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔ اور حتی الوسع اس صدمۂ عظیم پر صبر دلانیکو سکی و دلجوئی کی۔

کنس کی نعش شعلوں کے سپرد کردی گئی اور راجہ اگرسین تخت پر بیٹھا۔ سری کرشن نے ان دونوں تقریبوں کے بعد تحصیل علم کیلئے "سندی پن رشی" کے پاس جانے کی تیاری کردی۔ اُنھیں اہل دُنیا کی تلقین کیلئے حصول علم و کمال کی بہت ضرورۃ تھی اور اسکا موقع اب ملا تھا۔

اب سری کرشن کی طبیعت نے ایسا پلٹا کھایا کہ بچپن کی شوخیاں اور شرارتیں خواب و خیال ہوگئیں۔ اس طرفہ تغیر نے اُنھیں ایک متین مدبر۔ امور سلطنت کا اچھا ماہر قوی اور لائق حکمراں بنا دیا۔ وہ اپنے عزیز ہمجولیوں۔ پیاری گوپیوں اور مطیع پرستش کرنیوالوں کو بالکل بھول گئے۔ اُنھیں اپنی ماں جسودھا اور باپ نند کا بھی خیال نہ رہا۔ جب یہ سب سری کرشن کے لینے کو اُنکے ایوان شاہی میں گئے اُسوقت جو تقریر اُنھوں نے کی وہ اُس شعر کے مفہوم کا مصداق تھی جو پرنس **ہنری**† ذی جاہ خوش طبع دوستوں کے روبرو پڑھا تھا۔

اگلا سا وہ مزاج وہ عادت نہیں رہی ۔۔ وہ ہم نہیں رہے وہ طبیعت نہیں رہی

† پرنس ہنری شاہ پروشیا انگلستان کے شاہ عالم پناہ ایڈورڈ ہفتم کی بڑی ہمشیرہ ہر امپیریل میجسٹی فریڈرک وکٹوریہ کے بطن سے جو قیصرہ ہند مرحومہ کی بڑی بیٹی تھیں۔ اگست سنہ ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوکر شہنشاہ جرمنی فریڈرک والی جرمن کے قابل افتخار فرزند ہوئے جو قیصر ولیم ثانی شہنشاہ جرمن کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ کے شادی پرنس آئی رین آف ہیسی سے جو چچیری بہن ہوتی ہیں ۸۸ء۔ مئی ۱۸۸۸ء کو ہوئی۔ آپ نے مثل اپنے بڑے بھائی قیصر ولیم کے تعلیم حاصل کی مگر جرمنی کے دستور کے موافق شہنشاہ خود مختار ہوتا ہے۔ آپکے بڑے بھائی کی وہ شہرت نہ ہوئی۔ گو فوجی عہدہ سب سے اعلیٰ پایا ہے مگر آزادانہ کام اُس وقت میں ملی جب ۱۸۹۷ء میں چین کو جنگی بیڑہ اُن کی سرکردگی میں روانہ کیا جسطرح کو ڈاس نے پورٹ آرتھر وغیرہ چینی مقامات پر قبضہ کرلیا تھا ہنری آف پروشیا نے بھی چینی علاقہ پر قبضہ کرکے سو برس بعد

حسن و عشق کے جھگڑے طے ہو گئے چہل پہل کا زمانہ گزر گیا۔ مذاق و دل لگی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس کا سبب یہی تھا کہ سر کرشن کو اب پولٹیکل دنیا میں بہت کچھ کرنا تھا۔ اندرونی قضیوں اور آپس کے جھگڑوں سے ہندوستان کی حالت بہت نازک ہو رہی تھی۔ ظالم راجوں نے بہت زور پکڑا تھا۔ رحم دل حاکم کیرت احمر کا حکم رکھتے تھے۔ بدکرداروں کی ظلم و تعدی سے رعایا اپنی جان لیکر چھپنے کو نہیں جا چھپی تھی سر کرشن یکایک سلطنت متھرا کے رکن ہو گئے تو انھیں مظلوموں کی حمایت اور ملک کی امن و آسائش کیلئے بہت کچھ کرنا پڑا۔ گو فی الواقع وہ ایک ہی صوبہ کے حاکم ہوئے۔ مگر کل ہندوستان کی عنانِ حکومت اپنے ہات میں لے سکتے تھے انھیں تمام لڑنیوالی جماعتوں کے فرقوں کو اپنے علمِ نصرت و فیروزی کے تلے جمع کرنے اور ظالموں کی گوشمالی اور مظلوموں کی اعانت کرنیکی قدرت حاصل تھی۔ اُنھوں نے سوچا کہ محبت اور خوشحالی کی سلطنت کو پھیلانے اور وسعت دینے کے لئے بیشک ابھی بہت اہم کام باقی ہیں۔ اسکے ساتھ ہی یہ بھی خیال کیا کہ ہند کا وسیع براعظم کچھ گوکل ہی تک محدود نہیں ہے۔ جو کچھ ہمنے اپنے وطن میں کیا ہے اُسکا عملدرآمد ایسی وسیع مملکت میں کرنیکے واسطے بہت بڑی حکمت عملی اور اعلیٰ درجہ کی قابلیت کی ضرورت ہے۔ اس مہم عظیم کی انجام دہی کیلئے سر کرشن میں عالی دماغی۔ وسعتِ خیال

بقیہ نوٹ صفحہ ماقبل۔ چھوڑ دینے کا معاہدہ تحریر کر دیا۔ مہم چین پر جانے سے پیشتر مقام برلن میں جو تقریر آپنے کی تھی انھیں جہاں اپنے بڑے بھائی کی بہت کچھ تعریف کی وہاں اپنی فرمانبرداری اور اطاعت کا بھی لیا بیان کیا کہ چین سے اخبارات کو عرصہ تک لڑنے کا موقع ہات آیا۔ مذکورہ بالا تلیغ بھی شاید اسی تقریر کا کوئی جز ہوگی۔ مترجم

اور بلند حوصلگی کی حاجت تھی۔ مگر یہ سب باتیں اُنمیں پہلے ہی سے بوجہ اکمل حاصل تھیں۔
یکایک اِن کی طبیعت میں ایسا تغیر واقع ہوا کہ سب کو بکمال حیرت ہوئی
اُنکے ہمجولی لڑکے جب اُنکے شاہی دربار میں حاضر ہوئے تو اُنھوں نے بڑی سنجیدگی
کیساتھ کہا "گوکل کی بود و باش کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب تم ہم کو اپنا لنگوٹیا یار اور پیشوا
نہ سمجھو جسطرح ہم مختلف تفریحوں سے گوپیوں کا جی بہلاتے تھے اسیطرح تم بھی اُنکو خوش
رکھنے کی کوشش کیا کرو۔ اب یہی مناسب ہے کہ تم گوکل کو واپس چلے جاؤ اور ہمکو
آج سے اپنا بادشاہ اور حکمراں جانو۔ جس وقت گوپیاں شکستہ دل آنسو بہاتی اُنکے
دروازے پر آئیں تو اُنھوں نے بکمال متانت اُنسے واپس جانیکو کہا اور درخواست
کی کہ اب تم ہماری یاد دل سے فراموش کر دو اور حالت جدائی میں بغیر
ہماری ملاقات کے خوش و خرم رہا کرو۔ اور جب اِن کی ماں جسودہا اور باپ
نند مع دیگر اعزا و اقربا اِنکے دیدار کو اِنکے پاس آئے۔ اُنھوں نے نہایت ادب سے
التجا کی " اب سے آپ مجھے اپنا فرزند تصور کریں بلکہ اعلیٰ خاندان جادون کا شاہزادہ
اور اپنا موجودہ فرمانروا مانیں"۔

اُدھر گوکل میں جوش گریہ نے ندیاں بہائیں۔ نالہائے جگر خراش کی صدائیں
آسمان کی خبر لائیں۔ ادھر متھرا میں خوشی کے شادیانے بجے سب فرحت و انبساط
کے پتلے بنگئے۔ اِن لوگونکی محبت و الفت جو اُنھیں سری کرشن کیساتھ تھی اِس
بے انتہا خوشی اور رنج کا باعث ہوئی یعنی باشندگان گوکل صدمۂ فراق کی

تاب نہ لا سکے اور اس دائمی جدائی نے انکی زندگی وبال کردی - اور اہل متھرا فرطِ انبساط سے جامے میں پھولے نہیں سماتے کہ آخرکار اُنکے پیارے کرشن اُنھیں کے سردار اور حکمراں ہوئے - بے رحم سنگدل ظالم راجہ کنس کا خاتمہ ہوا اور اپنی بداعمالیوں کی سزا پائی - فخرِ ہند سری کرشن کا ستارۂ اقبال چمکا اور عنانِ حکومت ہاتھ میں آئی - اہل متھرا کیلئے اس جہانِ فانی میں اس سے بڑھکر اور کونسی خوش نصیبی ہو سکتی تھی -

سندی پن رشی کے مکان پر سری کرشن اور اُنکے بھائی بلرام نے علوم فلسفہ الٰہیات - سیاستِ مُدن - اور اُصولِ حکمت کی تعلیم پائی - فنونِ سپہ گری بھی حاصل کیئے علاوہ دماغی طاقت کے سری کرشن جسمانی قوت میں بھی عدیم المثال تھے اُنھوں نے اور علوم کیطرح فنِ تیراندازی بلکہ جملہ جنگی فنون میں اعلیٰ درجہ کی مہارت پیدا کی اپنی فطری قابلیت کے سبب سری کرشن چند ہی سال میں علومِ رائج الوقت میں یگانۂ آفاق اور فنونِ سپہ گری میں طاق ہوکر شہر متھرا کو واپس آئے۔

ان کی غیبت میں زبردست راجہ جراسندہ نے متھرا پر چڑہائی کی - اسکی دو بہنیں کنس کیساتھ منسوب تھیں - یہ اپنے خاوند کے مارے جانے کے بعد بڈاپا کاٹنے کو بھائی کے گھر چلی گئیں اور جادوں خاندان خصوصاً سری کرشن کی سخت شاکی ہوئیں یہ بات سنکر جراسندہ کو طیش آگیا اور اُسنے بیشمار سپاہ سے متھرا پر دھاوا کیا مگر سری کرشن بہت جلد پہنچگئے اور غنیم کو جادوں سلطنت سے مارکر نکالدیا یہی لڑائی پر بس نہیں ہوئی جراسندہ نے متھرا پر متواتر سترہ حملے کئے مگر ہر مرتبہ شکست

پر شکست کھائی اور ہزیمت پر ہزیمت اُٹھائی۔ اٹھارہویں دفعہ وہ طاقتور شودر
کالیاہن سے مل گیا جس سے اُسکی کمک کیلئے تمام شمال کی پہاڑی شودر قومیں جمع
کرلیں۔ اسوقت سری کرشن کے پاس اس کوہستانی جم غفیر کے مقابلہ کے لئے کافی
فوج نہ تھی۔ انکو خیال ہوا کہ شجاعت کیلئے پیش بینی ضرور ہے۔ پس جیسے ہی یہ خبر پہنچی
کہ کالیاہن اپنی خانہ بدوش سپاہ لیکر متھرا کیجانب روانہ ہوا اُنھوں نے سمندر کے
ساحل پر ایک نئے شہر کی تعمیر شروع کردی اور اُسکا نام دوارکا رکھا۔ یہ ایسی جگہ تھی جسپر
قبضہ کرنا بہت دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن تھا۔ اور محاصرہ کیوقت تھوڑی سی فوج
سے اُسکی حفاظت بخوبی ہوسکتی تھی۔ متھرا کے مرد عورت اور بچوں کو سری کرشن نے اِس
شہر میں بھیجدیا اور میدان جنگ میں کالیاہن کو ایک گھات سے قتل کرکے شجاعت
کی ایسی داد دی کہ مخالف کی سپاہ کے دانت کھٹے ہوگئے۔ مگر اسیوقت اس
فتحیاب فوج پر جراسندہ بلائے ناگہانی کیطرح ٹوٹ پڑا اور بہادروں کے پاؤں میدان
سے اُکھاڑ دیئے وہ جان لیکر بھاگے۔ ہزیمت نصیب سپاہ کا سایہ کیطرح پیچھا کیا
گیا مگر سری کرشن کسی تدبیر سے بخیر و عافیت دوارکا میں پہنچ گئے۔

چند ہی سال میں سری کرشن کو سب حکمرانوں پر فوقیت حاصل ہوگئی۔ یہ بیان
کرنیکی ضرورت نہیں کہ اس قدر برتری اور فضیلت انکو کسطرح حاصل ہوئی۔ مگر صرف
یہی کہنا کافی ہے کہ وہ اُسوقت ایک ایسے شخص تھے جنکی دوستی اور مہربانی کی ہر شخص
کو تمنا تھی جنکی چشم عنایت کے لوگ امیدوار رہتے اور نظر قہر سے ڈرتے تھے بڑی بڑی

زدی اختیار اور طاقتور فرمانروا اُنکا اعزاز و اکرام کرتے ہیں سب سے پہلے سرخرو ہونیکی سعی کرتے تھے۔ اُسوقت کی اور چھوٹی بڑی ہندی طاقتوں کا کیا ذکر ہے۔ کورو اور پانڈو جو فی الحقیقت ہند کے شہنشاہ تھے پورے طور پر سری کرشن کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ اُنکی رہنمائی کے محتاج تھے اور اُنکی دوستی اور مہربانی کو اپنا باعث فخر سمجھتے تھے۔ اس خاندان کے سرپرست زمانے کے مشہور بہادر اور مدبر مُلک بھیشم نے سری کرشن کو خدا کا اوتار تسلیم کرکے اُنکی بندگی اور پرستش شروع کردی تھی غرض سفید پوش کوہ ہمالیہ سے متھرا اور دوارکا سے کچھیا تک وہ سب حکمرانوں کے حکمراں ہوگئے اور ہندوستان کی سیاست اور مذہب دونوں کی کنجیاں اُنکے ہاتھ میں آگئیں۔ لوگ اُنکی اعلیٰ فہم و فراست کے قائل تھے اور ظاہراً و باطناً عشق صادق کے ساتھ سب اُنکی پرستش کرتے تھے۔

سری کرشن نے چند شادیاں کیں۔ پہلی شادی رُکمنی کیساتھ ہوئی بعدہ ست بھاما وغیرہ سے عقد ہوا۔ یہ سب شاہزادیاں اعلیٰ شاہی خاندانوں کی تھیں اسکے ساتھ انھوں نے اپنی فوج میں اضافہ کیا۔ گوکل کے قوی اور بہادر شیر فروشوں سے انتخاب کرکے ایک اتفاقیہ سپاہ بھرتی کی اور اپنی رعایا کو ہمہ جہت خوشحال بنایا۔ بغیر ان تدابیر کے کوئی فرمانروا ہردلعزیز اور دشمنوں سے محفوظ نہیں ہوسکتا۔

اندرونی مخالفتوں اور آئے دن کے جھگڑوں کو سری کرشن نے طے

کر دیا جنسے ملک میں تباہی اور بربادی پھیلی ہوئی تھی۔ ظالم حکمران سزایاب ہوئے یا عدل و رحم کرنے پر مجبور کئے گئے یوں جس جگہہ خونریزی اور تباہی نے مصیبت ڈھا رکھی تھی وہاں امن و آسائش کے جھنڈے گڑ گئے۔ یہ سب اصلاحیں سری کرشن نے خود اپنی جسمانی قوت سپہگری فنون سے یا اپنے پیدلوں اور سواروں کی مدد سے نہیں کیں اُنھوں نے اپنی رسا فہم اور اعلیٰ الحکمت عملی ہی سے کام لیا اور اکثر اوقات بغیر کسی نبرد آزمائی کے سیدھی سادی تدبیروں سے اُنکا مقصد حاصل ہو گیا۔

ہند کی رعایا نہایت خراب اور بداطوار ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کو اپنے افعال قبیح کی اصلاح کی پروا نہ رہی تھی اور یہی اُنکی بربادی کا بہت بڑا باعث تھا۔ افسوس نیک اور ایماندار آدمی کچھہ جنگلوں میں پڑے پھرتے اور کچھہ آبادیوں میں مصیبتیں جھیلتے تھے سری کرشن نے بیڑا اُٹھایا کہ بدوں کو دُنیا سے نکال کر اہل ہند کو آیندہ مصائب اور جور و تعدی سے بچائیں۔

ایک مرتبہ سری کرشن نے اپنی پیاری بیوی رُکمنی سے کہا تمنے بڑے بڑے اولو العزم مقتدر شاہان روئے زمین کی درخواستیں نامنظور کی تہیں مگر میرے ساتھہ کیا سمجھکر شادی کی۔ میں کسی سلطنت کا بادشاہ نہیں۔ دشمنوں کے خوف سے سمندر کے کنارے ایک شہر میں پڑا ہوں۔ میرا چال چلن سب سے نرالا۔ برتاؤ عوام الناس کے خلاف۔ کوئی شخص میرے مافی الضمیر سے آگاہ نہیں۔ مجھہ جیسے آدمی کی بیویوں کو ہمیشہ مصیبت کا سامنا رہتا ہے۔ میں غریبوں اور فلاکت زدوں سے صحبت رکھتا

ہوں اسی سے اُمرا کو مجھ سے ملتے میں عار ہے۔ مجھے نہ اپنے جسم کا خیال ہے نہ وطن کی پروا نہ بیوی بچوں کی محبت۔ نہ دولت کی تمنا اور نہ عیش و عشرت کی خواہش ہے۔ میری طبیعت کے آدمی اپنے ہی بہرہ پر قانع رہتے ہیں۔ یقیناً تم نے مجھ سے شادی کرکے بڑی غلطی کی"

اس مختصر تقریر سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سرداران زمانہ پر سرکرشن کی فوقیت حاصل کرنیکا کیا سبب تھا۔

تواریخ یا قصص خیالی میں ایسے برگزیدہ شخص کا تذکرہ کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ سرکرشن سچے عاشق۔ پکے دُنیا دار۔ نامی ناظم ملک۔ قابل مدبر سلطنت اکمل فلسفی۔ اور فضل رہنما تھے۔ یہ ہندوستان میں ادنیٰ شیر فروش کے لڑکے سے اعلیٰ درجہ کے شخص ہوگئے۔ سارے حکمرانوں کے حکمران تمام رہنماؤں کے رہنما اور سب فلسفیوں کے اُستاد بن گئے۔ مگر انھیں اس فضیلت و عظمت سے ذاتی وقار یا نمائش مقصود نہ تھی نہ یہ اوصاف ایسے وسائل سے حاصل ہوئے تھے۔ ایسا ہوتا تو بیشک نیک اور عقیل آدمیوں کی نظروں میں اُنکی اسقدر عظمت اور وقعت نہوتی۔

اُنھیں خودی اور خودنمائی بالکل نہ تھی نہ اُنکے کاموں میں خودغرضی پائی جاتی تھی۔ اُنکا اصل منشا یہی تھا کہ محبت۔ امن و خوشحالی اور مسرت کی ایک نئی دُنیا پیدا کیجائے اُسکی تکمیل کیواسطے اُنھیں طرح طرح کے کام کرنے اور نئے نئے رُوپ بھرنے پڑے اور یہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں۔

جس وقت سرکرشن نے کوس لین الملک بھیجا یا ہندوستان مختلف سلطنتوں میں منقسم تھا۔ انہیں کورو۔ پانڈو۔ اور مگدھ[۵۱] کی بادشاہتیں بہت طاقتور تھیں ان کی سرحدیں ملی ہوئی تھیں۔ نابینا دھرتراشٹر کورو سلطنت کا بادشاہ تھا اسکا چچا بھیشم پتامہ جسنے تمام عمر عالم تجرید میں زندگی بسر کرنیکا عہد کرلیا تھا اس خاندان کا سرپرست تھا اسیطرح ملک پانچال[۵۲] کا راجہ دروپد تھا۔ اور مگدھ کی سلطنت جراسندھ کے تحت میں تھی۔

شاہ دھرتراشٹر کے پانچ بھتیجے اور بہت سے بیٹے تھے۔ اسکے بیٹے بڑے شریر و سرکش تھے۔ انھوں نے اپنے چچیرے بھائیوں کے قتل کی سازش کی۔ یہ پانچوں بھائی بہ تبدیل لباس فرار ہوئے اور اس غرض سے ملکوں ملکوں پھرنے لگے کہ اگر کوئی زبردست بادشاہ اپنا معاون و مددگار ہوجائے تو دھرتراشٹر کے بدکردار لڑکوں سے اپنی املاک واگذاشت کرالیں۔ مفرور نہایت نیک نہاد و فنون سپہ گری میں شہرۂ آفاق تھے۔

وہ سفر کرتے کرتے پانچال کی دارالسلطنت میں پہنچے۔ وہاں سنا کہ راجہ اپنی لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ شرط یہ قرار پائی ہے کہ جو کوئی بہادر شہریار طلائی مچھلی کی آنکھ میں جو جرثقیل کے قاعدہ سے ایک ستون پر نصب کیگئی ہے تیر لگائے گا اسی سے شہزادی کا عقد کردیا جائیگا۔ اس سوئمبر میں تمام بادشاہ اور روسائے عظام مدعو کئے گئے جب فوج زمانہ سب فن تیراندازی کے کرتب دکھانے کے لئے جمع ہوئے۔ یہ پانچوں بھائی بھی

۵۱ اگلے زمانے میں ملک بہار کو کہتے تھے۔ مترجم

۵۲ زمانہ گذشتہ میں ملحقات ضلع فرخ آباد کو کہتے تھے۔ مترجم

برہمنوں کے بھیس میں اس عام مجمع میں پہنچے۔ مچھلی کی آنکھ کا نشانہ اُڑانے میں سب ناکام رہے لیکن ارجن نے اُٹھکر کامیابی حاصل کی۔ اسوقت سوئمبر میں ایک تہلکہ پڑگیا۔ کل ناکامیاب اوریایوس بہادر۔ فتحمند ارجن پر حملہ کرنے کو جھپٹے۔ مگر وہاں سری کرشن بھی موجود تھے۔ سب ان کی بیحد قدر و منزلت کرتے تھے۔ اُنھوں نے کہدیا کہ برہمن نے واجبی طور سے شہزادی کو جیت لیا تو سب نے ہتھیار رکھدیئے اور گھر کی راہ لی۔ یہ خفیف واقعہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ سری کرشن کو تمام ہندی فرمانرواؤں پر کامل فوقیت حاصل تھی۔

باایں ہمہ سری کرشن نیکوں کی طرفداری اور کمزوروں کا جنبہ کرتے تھے۔ اس مجمع میں صرف یہی ایک ایسے شخص تھے جنھوں نے پانڈو شہزادوں کو تبدیل لباس میں پہچان لیا تھا گو اُن کے مرنے کی جھوٹی خبریں ہندوستان میں مشہور ہو چکی تھیں۔ سری کرشن ان بنے ہوئے برہمنوں کے ساتھ اُن کے قیام گاہ پر گئے۔ اُنھیں اُن کی خوش نصیبی پر مبارکباد دی اور اُسی روز سے اُن کے دوست بلکہ مشیر اور پیشوا ہوگئے۔ یہ سری کرشن ہی کا کام تھا کہ اُنھوں نے شاہ دروپد سے ان شہزادوں کی ملاقات کرائی اور شاہ مذکور کو مشورہ دیا کہ وہ دھرتراشٹر کے پاس ایک ایلچی بھیجکر اُس سے پانڈو کے حقوق عطا کرنے کی درخواست کرے۔ اس ایلچی کی واپسی تک سری کرشن اُنھیں کے پاس ٹھہرے رہے۔ قاصد نے آکر جلاوطنوں کو شاہ کورو کی طرف سے اُن کی طلبی اور اندرپرست میں آباد ہونے کی اجازت دینے کا مژدہ سنایا تو سری کرشن اُن کے ہمراہ گئے اور بڑے بڑے جنگلوں کے صاف کرنے اور نئی سلطنت کی بنا ڈالنے میں اُن کی

امداد کی۔ جب پانڈو بآرام تمام اِس نئی سلطنت پر مسلط ہو گئے۔ سری کرشن دوارکا کو واپس آئے۔

اپنی والدہ کی خواہش کے مطابق پانچوں پانڈو بھائیوں نے پانچال کی شہزادی سے شادی کرلی۔ آیندہ باہمی نفاق سے بچنے کا یہ انتظام کیا کہ جس وقت ایک بھائی شہزادی کے پاس ہو دوسرا اُس کے خلوت خانے میں نجائے اور جو اس قاعدہ کی پابندی نہ کرے وہ چند سال جلاوطن رہے۔

ایک دن ایک غریب برہمن ارجن کے پاس آکر نہایت دردانگیز لہجہ میں التجا کرنے لگا" اے حامی درماندگان! میرا مال و اسباب رہزنوں سے واپس دلادیجئے"۔ اس وقت سوئے اتفاق سے ارجن کے آلات حرب اُس کمرے میں رکھے تھے جہاں جدھشتر۔ اور دروپدی باہم اختلاط میں مشغول تھے۔ مگر اس مصیبت زدہ برہمن کے حفظ مال کے لئے ارجن اس خوفناک جرم کا مرتکب ہوا جس کی سزا جلاوطنی تھی وہ اُس کمرے میں گیا اور اپنے ہتھیار لے کر غریب برہمن کی مدد کو فوراً روانہ ہو گیا۔

قزاقوں کی سرزنش کے بعد ارجن نے اپنے بھائیوں کے پاس آکر اپنی جلاوطنی کی درخواست کی۔ اُنھوں نے نہایت ملول اور دلگیر ہو کر اُسے خدا حافظ کہا۔ اور وہ اندر پرست کو الوداع کہکر جاترا کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

ارجن نے قریب قریب ہند کے کُل ملکوں میں سفر کیا۔ آخر پرواش دیس میں پہنچا یہاں اُس کے پیارے دوست متھرا اور دوارکا کے شاہزادہ سری کرشن اُس سے ملنے آئے

اور اُسے اپنے دار السلطنت میں لے گئے۔ دوارکا پہنچکر سری کرشن نے اپنی بہن سُبھدرا سے اُس کا عقد کردیا اور یہاں عرصہ تک وہ اپنے دوست اور بیوی کے پاس آرام سے رہا
اثنا سفر میں ارجن کو کیا کیا واقعات پیش آئے اور اُس نے بدکرداروں کی سزادہی اور نکوکاروں کی حمایت میں کیسی کیسی جنگی قابلیتیں دکھائیں یہ بیان کرنا فضول ہی ہے۔ بالجملہ وہ میعاد جلاوطنی کے بعد اندر پرست واپس آیا۔ اپنے بھائیوں سے ملا سب مل کر نہایت خوش وخرم رہنے لگے اور حتی الامکان ہر آسان طریقہ سے کوروں کو خوش کرنے میں مصروف ہوئے۔

کوروں کے سب سے بڑے شہزادے درجودھن نے بھانمتی کے ساتھ شادی کرلی۔ اُس سے چند بچے پیدا ہوئے جنمیں سے ایک لڑکی لچھمنا سری کرشن کے بیٹے پر عاشق ہوگئی بڑی دھوم دھام سے اِن دونوں کا بیاہ ہوا۔ اِس تقریب سعید میں چندربنسی خاندان کی دونوں شاخوں کے فریق نہایت گرمجوشی کے ساتھ شریک ہوئے۔

بموجب رسم زمانہ بھیم۔ ارجن ۔ نکل ۔ اور سہدیو قرب وجوار کی سلطنتیں فتح کرنے نکلے ۔ بہت سے بادشاہوں کو مغلوب کیا۔ بہت سی ریاستوں سے خراج لیا۔ غرض بے انتہا زروجواہر اور مال ومتاع لے کر گھر کو پھرے تو راجہ جدھشٹر نے ان فتوحات کی شہرت دینے کے لئے راج سُوجگ[1] کرنے کا ارادہ کیا۔

پانڈو شہزادے بغیر مشورت سری کرشن کے کوئی اہم کام نہ کرتے تھے۔ لہذا

[1] شہنشاہوں کا اظہار وفاداری کیلئے بڑا جلسہ جسمیں ماتحت راجے فرماں پذیری اور اطاعت کے لئے جمع ہوتے تھے۔ مترجم

راجہ جدھشٹر نے ایک قاصد دوارکا کی طرف اس غرض سے روانہ کیا کہ فخر خاندان جادو کو اندر پرست میں آنے کی تکلیف دے۔ جب تک قاصد پہنچے پہنچے سری کرشن کی خدمت میں چند مقید شہزادوں کی طرف سے ایک درخواست اس مضمون کی پہنچی "ہم بدنصیبوں کو مگدھ کے بدکردار ظالم راجہ جراسندہ نے قید کر رکھا ہے۔ ہماری ریاستیں اپنی ممالک محروسہ میں شامل کرلی ہیں ہمیں اس قید سخت سے رہائی دیجیے اور اُس کتے کی موت سے جو غضبناک راجہ کے ہمارے لئے تجویز کی ہے بچائیے۔"

اندر پرست[۵۱] پہنچکر سری کرشن نے راجہ جدھشٹر کو راج سو جگ کرنے کا مشورہ یوں دیا "اے شاہ۔ آپ جنگی طاقت اور تمام جہاندارانہ خوبیوں کی بدولت سب شاہوں کے مقابلہ میں شہنشاہِ عالی مرتبت ہیں مگر چند ستم رسیدہ ناجور جراسندہ کے قید خانے میں پڑے سڑ رہے ہیں۔ اپنی رہائی سے مایوس ہو کر دائم الحبس قیدیوں کی طرح ناشاد و نامراد زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔ جب تک جراسندہ زندہ ہے وہ اپنے ہتھکنڈوں سے باز نہ آئے گا اور سرشوری کے ساتھ آپکے جگ میں فتنے اور ہنگامے برپا کرکے خلل انداز ہوگا۔ اس لئے میری رائے میں پہلے اس سے نبٹ لیا جائے پھر جگ کی رسم ادا ہو۔" اپنے دوست کی فرماں پذیری کے دلدادہ پانڈو بھائیوں نے راجہ مگدھ کی لڑائی کے لئے اپنی جرار فوج لے کر فوراً روانہ ہونے پر رضامندی ظاہر کی تو سری کرشن نے فرمایا۔ "خونریزیِ ناحق کی کیا ضرورت ہے۔ بیچارے بے گناہ سپاہیوں نے کیا کیا ہے

[۵۱] شہر دہلی۔ مترجم

جو اُن کی جان لی جائے۔ ہاں جراسندہ کو اُس کی بدکرداری کی سزا دینی ضرور ہے۔ صرف ارجن اور بھیم میرے ساتھ چلیں اور ہم تینوں جا کر اُس سے دست بدست اور کلّہ بکلّہ لڑنے کی درخواست کریں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم میں سے جس کو وہ اپنا مدمقابل تجویز کریگا وہی اُسکی شورہ پشتی اور بد اعمالی کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی ہوگا۔" اس نصیحت پر عمل کیا گیا۔ اور تینوں شاہزادے دارالسلطنت مگدھ کی جانب روانہ ہوئے۔

وہ وہاں برہمنوں کے بھیس میں پہنچے۔ بڑے اعزاز و اکرام سے اُن کا استقبال کیا گیا۔ سری کرشن نے راجہ سے اِس طرح خطاب کیا "ہمیں برہمن نہ سمجھو۔ ہم چھتری ہیں۔ یہ بھیم ہے۔ یہ ارجن ہے۔ اور میں کرشن ہوں۔ ہم تم سے دست بدست مبارزت کرنے آئے ہیں۔ ہم میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو۔" راجہ نے جواب دیا "تمہارا یہی ارادہ ہے تو میں بھی چھتری ہوں۔ مجھے تمہاری درخواست منظور کرنے میں کسی طرح کا ہراس نہیں ہے۔ میں تمہاری نبرد آزمائی کی خواہش پوری کرونگا۔ مگر اس وقت تم میرے مہمان ہو میری مہمانداری قبول کرو۔ تھوڑی دیر راہ کی ماندگی دور کرنے کے لئے آرام کر لو۔" سری کرشن نے کہا "اے شاہ جب تک ہمارا تمہارا فیصلہ نہ ہو جائیگا ہم تمہاری دعوت قبول نہ کریں گے۔" راجہ نے جواب دیا "تو خیر اپنی موت کے لئے طیار ہو جاؤ۔ سری کرشن جنگ آوروں میں تمہارا شمار ہی نہیں۔ تمہارے قول و فعل کا اعتبار ہی نہیں۔ تمہارے ساتھ لڑوں تو دنیا کے لوگ تھو تھو کریں گے۔ ارجن ابھی لونڈا ہی ہے اُسکا میرا جوڑ ٹھیک نہیں۔ ہاں بھیم میں کسی قدر بل بوتہ معلوم ہوتا ہے وہ چند لمحہ میری مقاومت کی تاب لا سکے گا

اُس سے کہدو کہ مرنے کے لئے تیار ہو جائے ''

اہل شہر کے روبرو یہ دونوں حریف مثل دو مست ہاتھیوں کے لڑے اور آخرالامر جراسندہ مارا گیا۔ سری کرشن نے مقید راجوں کو رہائی دیکر راجہ جدھشٹر کے راج سوجگ میں آنیکے لئے مدعو کیا۔ بعدہٗ جراسندہ کے بیٹے کو تخت نشین کر کے اندر پرست واپس آئے۔

اب متبرک جگ کی تیاریاں کی گئیں۔ تمام تاجداران عالی وقار مقتدران روزگار اپنے خدم وحشم کے ساتھ اظہار اطاعت کے لئے پانڈو شہزادوں کی خدمت میں حاضر ہوئے بڑی شان و شوکت اور خرم و احتشام سے جشن اور جلسے مرتب کئے گئے اس تقریب کی طمطراق اور عظمت کے بیان میں کُل مورخین رطب اللسان ہیں۔ ہر ایک پانڈے شہزادے اور اُن کے احبا و اقربا کو علیٰ قدر مراتب جگ کا ایک ایک کام سپرد کیا گیا تھا۔ علمائے دین اور متبرک برہمنوں کے استقبال کی خدمت سری کرشن نے اپنے ذمے لی۔ وہ باعزاز تمام اُن کا استقبال کرتے۔ اپنے ہاتوں سے اُن کے پاؤں دھوتے اور جگ کے بڑے کمرے میں لے جاتے۔ معزز ناظرین۔ دیکھئے زمانہ کا سب سے برتر اور برگزیدہ رہنما جگ کے نہایت ذلیل مگر قابل تعریف کاموں میں یوں مصروف تھا۔

اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ حضار جلسہ میں جو سب سے بڑا اور معزز شخص ہوتا اُس کو تقریب کے اختتام پر اظہار اعزاز کے لئے پہلا ارگ[1] دیا جاتا تھا۔ بھیشم نے تجویز کیا کہ پہلا ارگ

[1] سنسکرت کے زمانہ میں دستور تھا کہ معزز و مقدس شخصوں کے سامنے ٹونٹی دار لوٹے سے پانی ڈالکر اظہار اعزاز کرتے تھے اس رسم کو ارگ کہتے ہیں۔ مترجم

سری کرشن کو دیا جائے۔ اس وقت بے شبہ کل حاضرین مجلس میں یہی سب سے اعلیٰ اور برتر تھے۔ اس تجویز کو سنکر راجہ سسپال کے دماغ میں بجلی سی کوند گئی وہ غصہ کو ضبط نہ کرسکا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا "سری کرشن کو ارگ لینے کا کیا حق ہے؟ نہ وہ کہیں کا بادشاہ ہے نہ جنگ جو۔ نہ علامۂ دین۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ عمر کے لحاظ سے بزرگ ہے تو یہاں اُس کا باپ واسدیو موجود ہے۔ اگر وہ خلق دوست سمجھا جائے تو شاہ دروپد سے زیادہ کسی صورت میں عوام کے ساتھ ہمدردی کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ تم اُسے اپنا گرو سمجھ کر عظمت کرتے ہو۔ تو یہاں اعلیٰ درجہ کا گرو درونا بیٹھا ہے۔ سری کرشن ایک ملحد مزند شخص ہے۔ اُس کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ نہ اُس کی قوم کا پتہ ہے۔ نہ اُس کے چال چلن کا ٹھکانا ہے اور نہ وہ کسی اصول کا پابند ہے۔ وہ دنیا میں ہر قسم کے فسق و فجور اور منہیات کا مرتکب ہوا ہے۔ کیا تم نے اس جلسہ میں یوں ہماری آبروریزی کرنے کے لئے ہمیں مدعو کیا ہے؟ کیا معزز مہمانوں کے ساتھ یونہیں پیش آتے ہیں؟" پھر اُس نے سری کرشن کی جانب رُخ کر کے کہنا شروع کیا "تم کیسے سادہ لوح اور کم اوقات ہو۔ یہ لوگ تمھارا مذاق اُڑاتے ہیں اور تم ٹس سے مس نہیں ہوتے اور اُن کو ایسی مزخرفات اور ناپسندیدہ حرکتوں سے باز نہیں رکھتے" پھر اُس نے حضار جلسہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا "معزز راجگان جہاں ایسے ذلیل اور حقیر آدمیوں کی اس قدر عزت و حرمت کی جاتی ہو وہاں سسپال اپنی موجودگی کسر شان سمجھتا ہے۔ اس تقریر کے بعد وہ آگ ببولا ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا مجمع کو چھوڑ کر چلے جانے کا قصد کیا۔ اور اکثر حاضرین نے اُس کی پیروی کی۔

اس وقت جلسہ میں بڑی ہل چل پڑ گئی۔ سب سے چھوٹے پانڈو شہزادے نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر للکار کر کہا۔ "جو شخص سری کرشن کی عبودیت سے منحرف ہو گا میں اُس کا سر اپنے پاؤں تلے پیس ڈالوں گا۔" بس اب تاب کہاں تھی غصہ کے مارے سسپال کے مونھ سے کف جاری ہو گیا۔ فرط طیش سے گرجنے لگا اور سری کرشن پر مغلظ گالیوں کا مینھ برسا دیا۔ مگر وہ ضبط کئے دم بخود کھڑے رہے اور اس کی طفلانہ حرکات اور طعن و تشنیع پر مسکراتے رہے۔

بزرگ منش بھیشم اور جوان شورہ پشت راجہ سسپال میں خوب بحث و تکرار اور دیر تک دو بدل ہوتی رہی۔ قریب تھا کہ ایک دوسرے سے دست بگریباں ہو جائیں بالآخر بھیشم نے اُٹھ کر کہا۔ "ہم سب سری کرشن کی بندگی اور پرستش کریں گے۔ جو کوئی اس کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکالیگا میں ابھی اُس کا سر اپنے پاؤں سے کچل ڈالوں گا۔ یہاں کوئی شخص اپنے آپ کو سری کرشن سے افضل سمجھتا ہے تو وہ اُن سے مجادلہ کی درخواست کیوں نہیں کرتا۔

سسپال نے سری کرشن کی طرف جنھوں نے ابھی تک کوئی لفظ بھی زبان سے نہ کہا تھا پلٹ کر نہایت نا ملائم الفاظ کہہ کر اس طرح مبازرت کی درخواست کی "تم بزدلے نہ ہوگے تو میرے ساتھ ضرور لڑو گے۔" اب سب کی آنکھیں سری کرشن کی طرف لگ گئیں اُنھوں نے نہایت استقلال کے ساتھ اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہا۔ "میں تجھے ایک مرتبہ سے زیادہ معاف کر چکا ہوں۔ میرا خیال تھا تو کجروی چھوڑ کر راہ راست پر آجائے گا مگر تو نے

اس کے خلاف مجھ سے لڑنے کی درخواست کی۔ پس میں چھتری ہو کر اُسے نامنظور نہیں کرسکتا۔ اب موت کے لئے تیار ہو جا۔ تیرا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا ہے۔ یہ کہکر سفرور راجہ سسپال پر حملہ کیا اور چشم زدن میں اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اسکے قلع قمع ہو جانے سے تمام سرکش تاجداروں کو عبرت ہو گئی۔ پھر کوئی بھی جگ کی کارروائی میں مخل ہونے کی جرأت نہ کرسکا۔ بڑی شان و شوکت سے جگ کا انجام ہوا۔ سب مہمان خوش خوش رخصت ہوے۔ کورو شہزادے اپنے چچیرے بھائیوں کی اس کامیابی کو دیکھکر حسد کی آگ میں جلنے لگے۔ لہذا اُنھوں نے ان کے زوال کے لئے منصوبے گانٹھے اور اُن میں کامیاب ہوئے۔

خفیہ طور سے مجلس شوریٰ منعقد کی گئی جس میں کوروں کے چچا سکنی نے یہ مشورہ دیا کہ جدہشٹر کو چوسر کھیلنے کے لئے بلانا چاہیے۔ وہ چھتری ہے جنگ یا قماربازی کی درخواست کبھی نامنظور نہیں کرسکتا۔ میں چوسر کی بازی میں اُس کا سب مال و متاع جیت لونگا اور اس ترکیب سے اُسے اور اُس کے بھائیوں کو دنیا میں سخت ذلیل کرونگا۔

یہ بد صلاح سب کو پسند آئی۔ جدہشٹر کو چوسر کھیلنے کے لئے بلا بھیجا اور نہایت قسمت کھیل شروع ہوا۔ قماربازی کے اِس بڑے جلسہ میں پانڈو اور کورو باہم حریف بنے۔

افسوس حرماں نصیب جدہشٹر کی قسمت نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ وہ ہارنے لگا اور رفتہ رفتہ اپنی کُل دولت ہار دی۔ کیا املاک۔ کیا جائداد۔ کیا خیمہ۔ کیا خرگاہ۔ کیا زر و جواہر غرض کچھ بھی نہ بچا۔ پانسے کے یہ ڈھنگ دیکھتے ہی چھکے چھوٹ گئے۔ ہائے

جب اُس کے پاس کوئی اور چیز لگانے کو نہ رہی تو اُس نے اپنے چھوٹے بھائی کو داؤں پر لگا دیا۔ اور اُسے بھی ہار گیا۔ اسی طرح ایک ایک کرکے سب بھائی ہار دیئے۔ بالآخر اپنے آپ کو داؤں پر لگایا اور بن داموں کا غلام بن گیا۔ اب اس نے پہلے اپنا سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ پھر مجمع میں چاروں طرف نظر دوڑائی اور اپنی پیشانی سے پسینہ کے گرم گرم قطرے پونچھنے لگا۔ اس وقت حقارت آمیز تمسخر کے ساتھ سکنی نے کہا۔ "جدہشٹراب کی بار اپنی جورو دروپدی کو داؤں پر لگا دو۔ وہ بڑی خوش نصیب ہے تم ضرور جیتوگے" اُس نے ایسا ہی کیا اور خاموشی کے ساتھ پھر کھیلنے لگا۔ مگر افسوس یہاں بھی تقدیر نے دھوکا دیا یعنی وہ اپنی پیاری بیوی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

کوروں کی باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ وہ بار بار اپنی کامیابی پر خوش ہوتے اور جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ اُن کے دل کا کنول کھل رہا تھا اور کلیجہ بانسوں اُچھلتا تھا۔

مگر یہ خوشی دیر تک نہ رہی۔ نیک مرد بدر نے عین کریال میں غلہ مارا اور کوروں کا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ وہ پہلے بھیشم سے ملا پھر نابینا شاہ دھرتراشٹر کے پاس گیا اور اُس سے اُس کے بدذات بیٹوں کے کرتوتوں کی کیفیت مو بمو کہی اُس نے باالحاح التجا کی کہ پانڈو کو کوروں کے قہر و غضب سے پناہ دیجئے اور چندر بنسی خاندان کو شخصی بربادی اور باہمی نفاق سے بچائیے۔ شاہ مذکور نے پانڈو کو اپنے روبرو طلب کرکے غلامی دوام سے آزاد کیا اور از سرِ نو ئی معاش پیدا کرنے کی اجازت دی۔

درجودھن کی اُمیدوں کا خون ہوگیا۔ اپنے باپ کے حکم کے خلاف وہ پانڈو کو چلے جانے سے منع نہ کرسکا۔ اس بات کو وہ خوب جانتا تھا کہ جدید ممالک کا فتح کرنا اور بیشمار مال و دولت جمع کرنا پانڈو کے بائیں ہات کا کرتب ہی لہذا اُس نے اپنے چچا سکنی سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ ہماری عز و جاہ کا رستہ ان کانٹوں سے اب کیونکر صاف ہو سکتا ہی۔

سکنی نے کہا اُنھیں چوسر کھیلنے کے لئے پھر بلانا چاہئے۔ اب کی بار داؤں اس شرط سے لگایا جائے کہ وہ ہار جائینگے تو اُنھیں جلاوطنی میں بارہ برس تک جنگل کی خاک چھاننی پڑے گی۔ اس مدت کے بین اُنھیں کسی ایسے بھیس میں رہنا ہوگا کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ اگر اس میعاد میں وہ پہچان لئے جائیں گے تو اُنھیں پھر بارہ سال تک جلاوطن رہنا پڑے گا۔ اسی طرح آیندہ جس وقت پہچانے جائیں گے اُسی وقت سے غریب الوطنی کی وہی میعاد از سر نو شروع ہو جائیگی ہم اُنھیں ہر مرتبہ پہچان لیا کریں گے۔ اور یوں ہمیں یقین کامل ہی کہ کبھی اُن کو اپنے وطن مالوف کی صورت دیکھنی نصیب نہوگی۔ درجودھن نے کہا فرض کرو جدہشٹر جوا کھیلنے یا جلاوطنی اختیار کرنے سے قطعی انکار کردے۔ سکنی نے جوابدیا "اُنھو تم جدہشٹر کو نہیں جانتے۔ وہ بڑی آن بان کا آدمی ہی۔ وہ ہرگز انکار نکریگا"

دوسرے روز صبح کو جدہشٹر سے قمار بازی کی پھر درخواست کی گئی۔ اُس کے بھائیوں نے بڑی منتوں سے اُسے نامنظور کرنے کے لئے اصرار کیا تو جدہشٹر نے جوابدیا "کیا تم چاہتے ہو کہ میں چھتریوں کے پاک فرائض ادا کرنے میں قاصر رہوں؟ خدا تعالے

نے ہمیں مصیبتیں اُٹھانے کے لئے پیدا کیا ہی پس ہم کو نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اُسکی مرضی پر شاکر رہنا چاہیئے"

بدنصیب بازی پھر شروع ہوئی اور جدشٹر پھر ہارا۔ ایمانداری اور سچائی کے دلدادہ پانڈو نے بارہ برس کی جلاوطنی کے لئے اندرپرست کو خیرباد کہا۔ اُنکی وفادار پیاری بیوی دروپدی نے دُکھ درد میں اپنے خاوند کا ساتھ دینے کے لئے اُن کے ہمراہ جانا پسند کیا۔ القصہ وہ سب بدقسمت جلاوطن اہل شہر کو گریہ وزاری میں مبتلا چھوڑ کر جنگل کو سدہارے۔

ان جانکاہ حادثوں کی سری کرشن کو مطلق خبر نہوئی۔ اسی زمانہ میں ایک قریب کے بادشاہ نے شہر دوارکا کا محاصرہ کیا اور سری کرشن کو مجبوراً اُس کی سرکوبی اور فساد کے لئے بہت دنوں تک ایک جنگ عظیم کرنی پڑی۔ جب اِس ناعاقبت اندیش کی سزادہی کے بعد وہ اپنے دارالسلطنت کو واپس آئے تب اُنھیں اپنے پانڈو دوستوں کی افتاد کا حال معلوم ہوا۔ وہ فوراً جنگل میں پانڈو کے قیام گاہ پر اُن سے ملنے گئے اور اُن کی واژوں طالعی پر بہت تاسف کیا۔ ان کے جھونپڑے پر کچھ دنوں تک اُن کے پاس رہ کر اپنے شہر کو واپس آئے اور چلتے چلتے وعدہ کر آئے کہ جہاں تک جلد ممکن ہوگا پھر ملیں گے۔

پانڈو شہزادوں نے اپنی جلاوطنی کا آخر زمانہ ملک بیراٹ میں گزارا۔ مگر بہت جلد اُن کا راز افشا ہوگیا اور راجہ نے اُنھیں پہچان لیا۔

خدا کی مشیت کون جانتا تھا کہ ان غریب الوطنوں کو اس دشت نوردی میں بھی شاہانہ عیش و عشرت حاصل ہو گی اور اس بے سروسامانی اور سقیم الحالی میں اُن کے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ جائیگا راجہ بیراٹ نے بڑے اعزاز و اکرام سے انھیں اپنے تخت پر بٹھایا اور ارجن کے بیٹے ابھمانو کے ساتھ جو سُبھدرا کے بطن سے تھا اپنی بیٹی اتیارا کی شادی کر دی۔

یہ خبریں کوروداراسلطنت میں بھی بہت جلد پہنچ گئیں۔نابینا شاہ دھرتراشٹر فخر خاندان بھیشم۔اعلیٰ ادیب درونا۔اور راستباز بدر سب نے مل جل کوششیں کیں کہ درجودھن کو پانڈوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرنے کے لئے راغب کریں مگر اُس ڈھن کے پکے نے اپنے افترا پرداز چچا سکنی اور بوالہوس دوست کرن کی نیش زنی کے باعث ان سب کی نیک صلاحوں کی طرف سے کان بہرے کر لئے۔

پانڈوں نے حتے المقدور کوشش کی کہ قتل و خونریزی نہو۔سری کرشن بھی ہمیشہ مصالحت ہی کو پسند کرتے تھے۔بے وجہ کشت و خون کے سخت مخالف تھے اس لئے انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ درجودھن کے پاس جاکر اپنے چچیرے بھائیوں کے ساتھ مراعات کرنے کی رغبت دلائیں اور بہ حسن سلوک پیش آنے کی ہدایت کریں۔

جن جن دیہات میں ہو کر سری کرشن گزرے وہاں بڑی بڑی آرائشیں کی گئیں پھوس کے چھپر اور کچے مکانات اس عمدگی سے سجائے گئے کہ شہر کی عمارتوں کی صفائی ماند ہو گئی۔روشنی سے ہر کوچہ و برزن منور ہو گیا۔ہر طرف دوالی کے چراغاں کا لطف

نظر آتا تھا۔ جہاں سری کرشن نے قدم رکھا خرابے چمن زار بن گئے۔ دشت و بیابان سنبلستان کی بہار دکھانے لگے۔ کیا بڈھے۔ کیا جوان کیا مرد اور کیا عورت ہر ہر مقام پر سب سری کرشن کی زیارت کو آتے۔ پاؤں چھوتے اور لباس مقدس کو چومتے۔ غرض اُن کی تشریف آوری سے ہر شخص شاداں و فرحاں تھا۔ جب بزرگ منش راجہ دھرتراشٹر نے سُنا کہ سری کرشن اُس کے دار السلطنت کی طرف آتے ہیں تو اُس نے خیر مقدم کی خوشی میں اعلیٰ درجہ کی تیاریاں کیں۔ شہر پھول پتی سے آراستہ کیا گیا۔ پری پیکروں کی جلوہ نمائی سے ہر گلی کوچہ میں بہار آگئی۔ شاہی جلوس کے کروفر سے گزرگاہوں میں رونق تازہ ہو گئی تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر گویوں اور ارباب نشاط کی چوکیاں بٹھا دی گئیں۔ امرائے دولت اور اعیان سلطنت جمع کئے گئے۔ شہزادے پیشوائی کے لئے بھیجے گئے اور سری کرشن بڑی آن بان سے شہر میں داخل ہوئے۔ دوست دشمن سب یکساں اُن کی خدمتگزاری کرتے بلکہ عوام اُنھیں اپنا زندہ خدا جانتے تھے۔ تاریخ دنیا میں ہم ایسا کوئی شخص نہیں پاتے جس کی اتنی عظمت اور پرستش کی گئی ہو۔ مگر ان کو اس سفارت میں کامیابی نہیں ہوئی۔

انھوں نے بڑی منت سے کہا "درجودھن۔ اِن پانچوں بھائیوں کو اپنی وسیع سلطنت سے صرف پانچ ہی گاؤں دے ڈالو۔ جو کچھ تھوڑا بہت تم انھیں دو گے وہ اسی پر قناعت کریں گے" درجودھن نے کہا "نہیں یہ ہرگز نہ ہوگا۔ جبتک چھتریوں کے اسلحہ کے جوہر نہ کھلیں گے اور میدان کارزار میں خون کی ندیاں نہ بہیں گی ایک اُنگل زمین بھی نہ دیجائیگی۔

الغرض ہر دو جانب جنگ ٹھن گئی۔ مناقشات اور مشاجرات شروع ہو گئے دونوں فریق معرکہ آرائی کی تیاریوں میں مصروف و منہمک ہوئے اور اپنے اپنے طرفدار بادشاہوں اور دوست شہزادوں کو شرکت جنگ کے لئے بُلا بھیجا۔ بے اندازہ سامان حرب مہیا کیا گیا اور ملک کے ہر حصہ سے سپاہ فراہم کی گئی۔

اس زمانہ میں سری کرشن سب سے بڑے آدمی تھے۔ ہر فریق اُن کی معاونت کا آرزومند تھا مگر وہ دونوں حریفوں کو یکساں عزیز رکھتے تھے۔ جب اُن سے اس امر کی استدعا کی گئی تو انھوں نے کہا کہ میں دونوں میں سے کسی کے خلاف نبرد آزمائی نکرونگا مگر ہاں جو میرے پاس پہلے آئیگا اُس کے ہمراہ میدان جنگ میں موجود رہونگا۔ درجودھن نے دوارکا پہنچنے میں بڑی عجلت کی اور جس وقت سری کرشن کی ملاقات کو گیا تو انھیں خواب میں پایا۔ وہاں ایک سونے کا مرصع تخت اُن کے سرہانے بچھا تھا وہ اُس پر بیٹھکر اُن کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ارجن بھی جا پہنچا اور اُن کے پائینتی بیٹھ گیا۔ سری کرشن نے آنکھیں کھولیں تو اُن کی نظر پہلے ارجن پر پڑی اور دریافت کیا "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" ارجن نے کہا "پیارے دوست میں تم سے ایک چیز مانگنے آیا ہوں۔" سری کرشن نے جواب دیا "میں تمھیں کیا دے سکتا ہوں ورنہ یوں تو میں ہمیشہ تمھاری خدمت کے لئے حاضر ہوں۔" ارجن نے کہا "مجھے اور کچھ درکار نہیں ہے میں بنفس نفیس آپ ہی کو مانگتا ہوں۔" سری کرشن نے مسکرا کر جواب دیا "پیارے دوست تم نے سنا ہوگا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ اس لڑائی میں کسی کے خلاف ہتھیار

نہ اُٹھاؤں گا۔ پھر میں تمھارے کس کام کا ہوں اور مجھ سے تمھیں کیا امداد مل سکتی ہی
ارجن نے کہا "یہ تو مجھے پورے طور سے یقین ہی کہ اس جنگ میں نصرت وفیروزی کا
سہرا میرے ہی سر رہیگا۔ اور میری شمشیر خار اشگاف دشمن کے حق میں بلائے بیدرماں
ہوجائیگی۔ مگر جب تک میرے پیارے دوست میری فتحیابی کی خوشی میں شریک نہونگے
مجھے راحت نہوگی"۔ سری کرشن نے فرمایا "اچھا۔ بہتر میں تمھاری رتھ بانی کرونگا۔

اس کے بعد سری کرشن نے سر اُٹھاکر درجودھن کو دیکھا اور کہا "پیارے بھائی
جو کچھ گفتگو اس وقت ہوئی وہ تم نے سن ہی لی تاہم میں تمھاری خدمت کو حاضر ہوں۔
اب بتاؤ تم مجھے لینا پسند کرتے ہو یا میری فوج کو؟" درجودھن سوچا کہ جب یہ لڑنے سے
انکار ہی کرتے ہیں تو انھیں لینا بیفائدہ ہی۔ ہاں اُن کی فوج کو مانگ لینا بیشک کسیقدر
سودمند ہوگا لہذا اُس نے جلدی سے کہا "اگر آپ مجھے اپنی فوج دیدیں گے تو میں
آپ کا ازحد شکر گزار ہوں گا"۔ سری کرشن نے اسے فوراً منظور کرلیا اور درجودھن انکی
جرار فوج لیکر ہستناپور واپس آیا۔ پھر ارجن سری کرشن کو ساتھ لیکر دوارکا سے روانہ ہوا۔

جب سب تیاریاں ہوچکیں۔ جملہ سامان حرب فراہم ہوچکا۔ جدھشٹر نے اپنی فوج ظفر
موج کا کوچ بولدیا۔ اور کورکشیتر کے میدان میں آکر خیمہ زن ہوا اُدھر درجودھن اپنی
حیرت انگیز سپاہ لیکر معرکہ آرائی کے لئے ہستناپور سے روانہ ہوا۔

ہر طرف لاکھوں کروڑوں سپاہ کا دل بادل اُمنڈ پڑا۔ بڑے بڑے آزمودہ کار سپہ سالار
اور شجاعان ذی اختیار اس جنگ عظیم میں آکر شریک ہوئے۔ بھائی بھائیوں اور دوست

دوستوں کی لڑائی تھی۔ ایک طرف فخر اکابران دیار بھیشم۔ سر آمد قابلان روزگار درونا سرگروہ شجاعان زمانہ کرن۔ شاہ نابینا کے ایک سو فرزند اور بیشمار نہیرے بڑے بڑے طاقتور تاجداران ہند کے افسر بنے۔ دوسری طرف پانچوں پانڈو شہزادے انکے فرزند ابھمانو۔ گھشوٹ کچھ اُن کے دوست شاہ دروپد شاہ بیراٹ۔ اور ہند کے چند اور معزز راجگان جوان سے نسلی واسطہ یا نسبتی تعلق رکھتے تھے صف آرا ہوئے۔ ان سب کے سرتاج سری کرشن ان کے ہادی مشیر اور پیشوا بنے۔

بھیشم قول کر چکا تھا کہ نابینا بادشاہ کے لڑکوں کو کبھی تنہا نہ چھوڑیگا اور ہر حال میں ان کا رفیق بنا رہیگا۔ اسی وجہ سے بکمال جبر واکراہ اُسے دس روز کیلئے کورو افواج کی سپہ سالاری قبول کرنی پڑی۔ اُس کی فوجی کارنمائیوں اور جنگی قابلیتوں کے بیان کرنے کی کوشش کرنا محض فضول ہے۔ کیونکہ نبرد آزمائی اور تدابیر جنگی میں کوئی اس سے بہتر تھا ہی نہیں جب ہنگامۂ جدال و قتال گرم ہوا اور دونوں جانب سے دلبران جانباز سرفروشی کرنے لگے تو اس نے شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے اور اسقدر قتل و خونریزی کی کہ پانڈوں کی تقریباً نصف فوج کھیت رہی۔

یہ بھیشم ہی کا دل گردہ تھا کہ اُس نے سری کرشن جیسے مستقل مزاج شخص کو عہد شکنی کرنے کے لئے مجبور کر دیا وہ قریب قریب کل پانڈو فوج کو تہ تیغ کر چکا تب بھی بہشیل بہادر ارجن نے اپنے جری اور جنگجو حریف سے ہتیار نہ کیا۔ گو ہر طرح سے وہ بخوبی اُس کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس وقت سری کرشن نے ارجن کی منتیں کیں پھسلایا۔ ڈرایا۔ دھمکایا

اور مختلف طریقوں سے بھیشم پر وار کرنے کی ترغیبیں دیں مگر افسوس ساری خوشامد اور تخویف بیکار گئی۔ قصہ کوتاہ جب پانڈو فوج کے بچانے کی کوئی اور صورت نہ رہی تو سری کرشن ارجن کے رتھ سے کود پڑے اور ایک ٹوٹا ہوا پہیہ اُٹھا کر بھیشم کی طرف دوڑے۔

بھیشم نے دیکھا کہ سری کرشن میرے مارنے کے لئے آتے ہیں تو اُس نے فوراً اپنے ہتیار پھینک دیئے اور ہات جوڑ کر مناجات کرنے لگا "اے خدا کے اوتار اب مجھے معلوم ہوا تجھے اپنے سچے پرستش کرنے والوں سے کسقدر محبت ہے۔ تو نے ان دونوں فوجوں کے روبرو صرف اس غرض سے اپنا عہد صالح توڑا ہے کہ تیرا پیارا معتقد ارجن اپنا قول پورا کرے۔ میں نے عہد کیا تھا کہ تجھ سے اس جنگ میں ہتیار اٹھوا کر مانونگا چنانچہ میں کامیاب ہوا۔ اخاہ میں کس قدر خوش نصیب ہوں! اے کرشن میں حاضر ہوں مجھے مار ڈال میں تجھ پر اپنی جان کو قربان کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کیا مناجات کروں"۔ لیکن اس وقت ارجن آن پہنچا اُس نے اپنے ہات سری کرشن کی کمر میں ڈالدیئے اور اُن کو آگے بڑہنے سے مانع ہوا اس نے بھیشم کے قتل کرنے کا وعدہ کیا اور سری کرشن تبسم کرتے ہوئے رتھ پر آبیٹھے۔

مگر بھیشم جیسے شجاع اور یگانۂ زمانہ کا مار ڈالنا کچھ آسان نہ تھا۔ اس لئے پانڈوں نے اس پر غالب آنے کی تدابیر سوچنے کے لئے ایک جنگی مجلس شوریٰ منعقد کی۔ سری کرشن نے کہا جب تک بھیشم کے جسم پر ہتیار رہیں گے دنیا میں کوئی شخص اُس کو شکست نہیں دےسکتا۔ جنگ میں فتح حاصل کرنا تمہارا فرض خاص ہے اِس کے لئے جن ذریعوں اور وسیلوں سے

ممکن ہو سکے کوشش کرنی ضروری ہے۔ اس میں کسی بات کے جا اور بیجا ہونے کا مطلق خیال نہ کرنا چاہیئے۔ پس میری رائے میں ہے ارجن کل تم سکھنڈی کو اپنے ساتھ لیجاؤ اس کو دیکھتے ہی بھیشم اپنے ہتھیار پھینک دیگا تم کو خاصہ موقع ملجائیگا۔ چاہو اُس کو مغلوب کرو چاہو قتل کرو اور یوں پانڈو کے لشکر کو کشت و خون سے بچالو"

دوسرے روز سری کرشن کی مصلحت آمیز نصیحت پر عمل کیا گیا۔ خدا کو منظور تھا تو یہ حکمت عملی چل گئی۔ بھیشم سکھنڈی کو ارجن کے رتھ پر بیٹھا دیکھکر مسکرایا اور اپنے ہتھیار کمر سے کھولکر رکھدیئے۔ ارجن نے فوراً بھیشم کے ایک زخم کاری لگایا اور وہ مجروح ہوکر اپنے رتھ پر سے گر پڑا۔ اسوقت دونوں کورو اور پانڈوں حریفوں کے سرغنے اپنے زخم خوردہ سرپرست کی طرف دوڑے اور اس کے لئے زار وقطار رونے لگے کیونکہ سب اپنے باپ سے بھی زیادہ اس کی عزت کرتے تھے۔

اب کورو سپہ گروئی درونا جنگ کرنے کے لئے میدان کارزار میں آئے۔ درونا نے اپنی فوج کی صفیں ایسے حیرت انگیز طریقہ سے جمائیں کہ پانڈو کو اس مقوس قطار کا توڑنا یا اُس کے اندر داخل ہونا بہت دشوار معلوم ہوتا۔ مگر جوانمرد ابھمانو بڑی جرأت کے ساتھ دھاوا کرکے اس نصف دائرے میں گھس پڑا اور ہزاروں دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ اُس وقت کوروں نے بڑی پھرتی کے ساتھ اس کو نرغہ میں کرلیا اور سات بڑے بڑے نبرد آزما۔ درونا۔ کرن وغیرہ وحشیانہ جوش وخروش سے شور وغل کرتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑے۔ پھر کیا تھا بیچارہ بہت جلد مغلوب ہوکر مارا گیا۔ بھیم نوجوان شجاع کی مدد کو

دوڑا مگر جب تک یہ اُس تک پہنچے پہنچے وہ زخم کاری کھاکر اپنے رتھ سے گر چکا تھا۔ اس رنج وغم نے بھیم کو پہلے سے وہ چند خشمگیں بنا دیا اور وہ بدلہ لینے پر تل گیا۔ اس نے اپنے بدذات چچازاد بھائیوں میں سے تیس کی جانیں قفس عنصری سے رہا کیں اور ایکہزار دشمنوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔

میدان مصاف کے دوسرے حصہ میں اجہ درو پد قتل ہوا اور کرن نے گھٹوٹ کچھ کو مارا۔ یوں پانڈو فوج کو ہر طرف شکست ہوئی۔ معرکہ آرائی اور نبرد آزمائی کے حوصلے پست ہوگئے۔ کوروں کی تلوار کی وہ دھاک بندھی کہ درونا کی لڑائی میں ارجن نے زخم کاری کھایا اور اُسے رتھ پر غش آگیا۔ سری کرشن نے یہ کیفیت دیکھی تو پکار کر کہا "او درونا تیرا فرزند استھو تھاما مارا گیا"۔ مگر اس کی اصلیت صرف اتنی ہی تھی کہ ایک جنگی ہاتھی استھو تھاما کو جو درونا کے بیٹے کا ہمنام تھا بھیم نے مارا تھا۔ سری کرشن سے اپنے پیارے بیٹے کے مرنے کی خبر سنکر یہ مُسن بہادر رنج کے مارے ہکا بکا ہو گیا۔ مگر اُس نے کہا مجھے اس بات کا یقین نہیں آتا اگر جدہشٹر کہدے تو میں باور کرلوں۔ میں جانتا ہوں وہ راست گو ہے ہرگز جھوٹ نہ بولیگا۔

سری کرشن جدہشٹر کو دم دلاسے دیکر بہادر درونا کے پاس اپنی شہادت کے لئے لائے مگر اُس نے ایسی دروغ گوئی سے قطعی انکار کیا۔ آخرش سری کرشن نے جدہشٹر کو صرف اتنا فقرہ کہنے پر رضامند کیا "استھو تھاما (ہاتھی) مارا گیا"۔ جونہیں جدہشٹر کی زبان سے لفظ "ہاتھی" نکلا انھوں نے فوراً اپنا ناقوس پھونکا اور اُس کی گونج جانے والی آواز سے وہ لفظ درونا کے کان تک نہ پہنچا۔ درونا بیٹے کا مارا جانا سنتے ہی غش کھاکر گر پڑا۔ اس

موقع کو غنیمت سمجھکر پانڈو کی طرف کا ایک بہادر فوراً جست کر کے رتھ پر جا پہنچا اور درونا کا سر کاٹ لیا۔

اگلے دن کورو کرن کی ماتحتی میں رزمگاہ میں آئے۔ اس روز صبح سے شام تک بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ دونوں طرف سے قدر اندازوں نے اس قدر تیر برسائے کہ ساون بھادوں کی جھڑی کا مزا آگیا۔ قدر اندازوں نے تیروں کی بھرمار کی تو آن کی آن میں پرے کے پرے صاف ہوگئے۔ فوجی لوگوں کے ہجوم میں ایسا شور وغل برپا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اور زخمیوں۔ جاں بلب سپاہیوں کی گریہ وزاری سے عرصۂ کارزار قیامت کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ غرض اس قدر قتل و خونریزی ہوئی کہ ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں اور کورک شیتر کا میدان لالہ زار بن گیا۔ بھیم نے اپنے چچا زاد بھائی دھوساسن نیز اور بدذات کورو شہزادوں کو قتل کر ڈالا مگر کرن نے اُسے پسپا کر کے پیچھے ہٹا دیا۔ اس معرکہ میں دونوں طرف کی بہت سی فوج کام آئی۔ اب پانڈو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے حتیٰ کہ شکست کھا گئے۔ یہ حال دیکھکر ارجن نے جلدی سے اپنی تتر بتر فوج کو اکٹھا کیا اور کرن کے سر پر آکھڑا ہوا۔ یہ دونوں فنون سپہ گری میں یگانہ زمانہ تھے گھنٹوں تک شیروں کی طرح لڑتے رہے اور آخر کار کرن مارا گیا۔ فتحمند پانڈو نے زور زور سے قہقہے لگائے اور کورو ہزیمت خوردہ ہو کر اپنے قیام گاہ کو واپس آئے۔

یہ خبر بہت جلد مشہور ہو گئی کہ درجودھن میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ پانڈو نے

فوراً تعاقب کیا اور اُسے محفوظ جگہ سے جہاں وہ چھپا ہوا تھا ڈھونڈ نکالا جب جائے گریز نہ رہی تو اُسنے نکل کر بھیم سے دست بدست مبارزت کی درخواست کی اور دونوں دومست ہاتھیوں کی طرح لڑنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ درجودھن سخت مجروح ہو کر مارا گیا اِن کے سوا درجودھن کے جسم کا ہر ایک حصہ مثل آہن کے ایسا سخت تھا کہ کوئی ضرب یا ہتیار کارگر نہ ہوتا تھا۔ جنگ کی پریشانی اور سراسیگی میں بھیم اُس کی ران پر ضرب لگانا بھول گیا۔ مگر سری کرشن نے جو یہاں موجود تھے اس طور سے گویا کہ وہ بھیم کا دل بڑھا رہے ہیں اپنی ران پر زور سے لات مارا۔ اس اشارہ کو سمجھکر بھیم نے درجودھن کی ران پر ایک مہلک ضرب رسید کی اور اسی آخری ضرب نے کُرک شیتر کی جنگ عظیم میں پانڈو اور کوروں کی قسمتوں کا فیصلہ کر دیا۔

پانڈو فتح کا ڈنکا بجاتے ہوئے ہستناپور میں داخل ہوئے۔ مگر یہ فتحیابی تمام اُنکے اعزا و اقربا اور احباب و اقارب کے خون سے آلودہ تھی اس لئے اس سے انھیں فی الحقیقت خوشی نہوئی۔ مگر یہ معاملات تقدیری تھے ان میں کشش اور کوشش سے کیا ہوتا جب وہ نصرت و فیروزی کے پرچم اڑاتے اپنے آبا و اجداد کی دار السلطنت میں داخل ہوئے۔ تو ہر جگہ فرحت و شادمانی کے عوض سناٹا دیکھا۔ نہ خوشی کے شادیانے بجتے سنائی دیئے اور نہ مبارک سلامت کی صدا یا آتشبازی چھٹنے کی آواز کانوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی

سلہ یہ دہلی کے قریب آباد تھا۔ اب بھی کھنڈر موجود ہیں۔ اللہ اللہ کسی زمانے میں جہاں دن رات چہل پہل رہتی تھی اب وہاں سناٹا ہو کا عالم اور خاک اڑتی ہے۔ مترجم

تھی۔ وہ خاموشی کے ساتھ چلتے چلتے بارگاہ سلطانی اور حرم شاہی کے مکانات میں پہنچے مگر ہائے یہاں بھی دل خراش نالوں اور شور و شیون کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اور ہر در و دیوار سے حسرت برس رہی تھی۔

اس طرح بدذات سرکش کوروں کا خاتمہ ہوا۔ مگر سری کرشن کو ابھی ایک اور بڑا کام کرنا باقی تھا۔ انھیں اپنے جادوں خاندان کے بداعمالوں سے بھی دنیا کو پاک کرنا منظور تھا جن میں اُن کے بیٹے اور پوتے بھی تھے۔

فی الحقیقت اگر سری کرشن اس جنگ میں موجود نہ ہوتے اور وہ اپنی اعلیٰ تدبیر سیاسی اور حکمت عملیوں سے غریب پانڈو کی اعانت نہ کرتے تو انکا فتحیاب ہونا ناممکن تھا سری کرشن نے صرف مشورت اور ترغیب منہیات ہی سے اپنے پیارے دوست ارجن کو فتحیابی حاصل کرنے میں مدد نہیں دی۔ بلکہ اُسے ایک ایسا مذہب بھی اپنے پند و نصائح کی تائید میں تلقین کیا جو بالکل انوکھے اصول پر مبنی ہے۔ انھوں نے کہا اخلاقی نیکیوں کی قید اٹھا دو اور کیا والدین، کیا ادیب، کیا برہمن، کیا حقیقی اور چچیرے بھائی، کیا مرد، کیا عورت، کیا بچے سب کو بیدریغ تہ تیغ کرو اور اس کے عملدرآمد میں ہر قسم کے مکر و فریب اور دروغ و ناراستی سے فائدہ اُٹھاؤ۔ متھرا کی تخت نشینی کے دن سے سری کرشن کے واقعات زندگی ایک اخلاقی اسرار ہو گئے تھے اگرچہ بدذاتوں اور بدکاروں کو صفحۂ روزگار سے نیست و نابود کر دینا انکا اصل مطلب اور دلی منشاء تھا اور محبت اور خوش حالی کی نئی دنیا ایجاد کرنا اُن کے ہر کام سے پایا جاتا تھا۔ مگر انھوں نے بجائے

خود اپنے آپ کو ایک ایسا شخص ثابت کیا جس کے قالب میں انسانی دل ہی نہ تھا جس کو رنج و راحت۔ برائی بھلائی کا کچھ اثر ہی نہ ہوتا تھا جو مجسم دنیاداری کا پتلا تھا اور جو اپنی مطلب برآری کے لئے کسی قسم کے نیک و بد کام کرنے میں بند ہی نہ تھا۔ غرض اُن کا چال چلن امور اخلاقی سے بالکل متناقض بلکہ ایک بہت بڑا اسرار مخفی تھا۔

اگر سری کرشن اپنے مذہبی اصول اور فرائض زندگی کی تشریح کئے بغیر دنیا کے سر سے اپنا سایہ اُٹھا لیتے تو اس میں شک نہیں کہ لوگوں کے خیالات اُن کی جانب سے بہت ہی فاسد ہو جاتے۔ مگر جب اُن کے دوست ارجن نے کُرک شیتر کی جنگ عظیم میں اُن کے انوکھے اصول اور قواعد مذہبی کی پیروی سے قطعی انکار کیا تو انہیں مجبوراً دلائل و براہین سے اُن کی تشریح و تائید کرنی پڑی۔ وہ اصول ایسے معقول سچے اور قابل عظمت ثابت ہوئے کہ اُن کی بدولت اُس دن سے تمام عالم میں اُن کی پرستش خالق اکبر کے اعلیٰ اوتار کی طرح ہونے لگی اور اُن کا مذہب کل بنی نوع انسان کا مذہب ہو گیا۔

اسی طرح وہ اپنے رشتہ داروں کو بلا سزا دیئے چھوڑ دیتے تو ضرور ہمکو اُن کے مقصد کی صداقت میں کلام ہوتا۔ مگر اوروں کا تو کیا ذکر انھوں نے اپنی ذات قدسی صفات تک کو باقی نہ رکھا پہلے پہل اپنے قریبی رشتہ دار اور دوست کوروں کا خاتمہ کیا پھر اپنے خاص عالی قدر فرقہ کو جس میں اُن کے بیشمار لڑکے و پوتے بھرے تھے خاک میں ملا دیا۔

امر آخر الذکر کی انجام دہی کے لئے وہ ان سب کو پرواسش کی بڑی جاترا کے لئے لے گئے۔ پرواسش نہایت خوشنما۔ فرحت افزا اور متبرک مقام تھا۔ اس جاترا کی اہل دوارکا کو بڑی خوشی ہوئی۔ سری کرشن کے لڑکے پوتے۔ جادوں خاندان کے شہزادے وغیرہ سب بڑی سرگرمی سے تیاریاں کرنے لگے۔ کھانے پینے کو طرح طرح کی نعمتیں۔ شراب کے بے شمار قرابے اور جملہ سامان عیش و نشاط ساتھ لیا غرض جاترا کا لطف اُٹھانے کے لئے کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

اس متبرک مقام میں پہنچکر پہلے سب نے دینی رسوم اور مذہبی فرائض ادا کئے غربا و مساکین کو خیرات تقسیم کی۔ برہمنوں کو کھانا کھلایا۔ اس کے بعد خورونوش۔ اور عیش و طرب میں مشغول ہوئے۔ محفل رقص و سرود گرم ہوئی۔ دور شراب چلنے لگا۔ میخواری کی مضرتیں اہل خرد پر مخفی نہیں۔ رفتہ رفتہ نشہ ایسا تیز ہوا کہ ہر طرف فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکنے لگے۔ ایک نے کچھ کہا دوسرے نے سخت کلامی کی۔ باتوں باتوں میں تلوار کھچ گئی اور کسی کی جان گئی۔ مقتول کے دوست جھرمٹ کر کے قاتل پر ٹوٹ پڑے قاتل کے حامی اس کی مخلصی کے لئے دوڑے۔ یوں ایک اچھی خاصی لڑائی وہیں شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں چاروں طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں اور جادوں کے شہزادے درختوں کے پتوں کی طرح کٹ کٹ کر ہر طرف گرنے لگے۔ اس خانہ جنگی اور کشت و خون کے روکنے کے لئے سری کرشن سے مرافعت کی گئی۔ مگر وہ بھی۔ اس ہنگامہ میں بلوائیوں کی طرح شریک ہو کر خود اپنے لڑکوں اور پوتوں کو قتل کرنے لگے۔ اس طرح بہت جلد

کل فرقہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور سری کرشن کے سوا کوئی باقی نہ بچا۔

اس واقعہ کے بعد سری کرشن نے اپنے رتھ بان کو حکم دیا کہ وہ ہستناپور پہنچکر اُنکے رفیق ارجن سے یہ تمام سرگزشت بیان کرے اور پیام دے کہ دوارکا کی بے سرپرست شہزادیوں اور لاوارث بیواؤں کو فوراً ہستناپور لیجائیں اور اُن کی حفظ و امن میں مصروف ہوں۔

ناظرین اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اب اُن کا ارادہ اپنے دارالسلطنت کی طرف واپسی کا نہ تھا۔ شاید انھیں یہ خیال ہوا کہ اب ہمارا دور ختم ہوا اور فیض و فضل اٹھ گیا یا شاید یہ مطلب ہو کہ ہمارا کام انجام کو پہنچ گیا۔ خیر جو کچھ بھی ہو انھوں نے کم توجہی کے ساتھ مقتل میں اپنے عزیز و اقارب کی بے کفن نعشوں پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور وہاں سے روانہ ہو کر خراماں خراماں ایک طرف کو چلدیئے۔

چلتے چلتے وہ ایک درخت کے پاس جا پہنچے اور اُس کے سایہ میں پڑ کر سو رہے بہت جلد وہاں ایک شکاری کا گزر ہوا۔ اُس نے دور سے گھنی پتیوں کی آڑ میں اُن کو پڑا ہوا دیکھکر خیال کیا کہ کوئی شکار ہے۔ فوراً شست باندھ کر نشانہ لگایا۔

افسوس وہاں گھنے جنگل میں ایک سبزپوش درخت کے نیچے اس فخر روزگار نے زخم کاری کھایا اور ساری دنیا سے الگ تھلگ ایک گوشہ میں اپنی جان شیریں خالق جہاں آفریں کے سپرد کی۔ ہائے وہ شخص جس کی فسوں گر بانسلی کی دلربا تانوں نے گوکل اور بندرابن کی کم سن زاہد فریب گوپیوں کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ شخص جس کی خوش فعلیاں

گوالوں کی تفریح کا باعث تھیں۔ وہ شخص جس کا تبسم نیک مردوں کے ظلمت کدوں کو مہر جہاں تاب کی مانند ضیا بخشتا تھا۔ وہ شخص جس کی قہر آلودہ نگاہ۔ دوار کا متھرا ہستنا پور بلکہ کل بدکاران ہند کے دلوں پر بجلیاں گراتی تھی۔ وہ شخص جس کے جلوے کی جھلکیوں سے اُس تاریک زمانہ میں بنی نوع انسان کی نظروں کو چکاچوند لگ گئی تھی جس تاریک پردے سے شمع ہدایت ہات میں لیکر ظاہر ہوا تھا یکایک اُسی میں غائب ہو گیا۔



تعلیمات سری کرشن

صفحات بالا میں ہم نے سری کرشن کی زندگی کے صرف بعض خاص سوانح بیان کئے ہیں۔ ہم افسوس کرتے ہیں کہ اس مختصر رسالہ میں اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ اُن کی تعلیمات کو مشرح درج کریں۔ صرف یہی ایسے رہنما گزرے ہیں جنھوں نے مذہبی وعظ کا پیشہ اختیار نہیں کیا۔ ان کی ماند و بود دنیا داروں کی سی تھی۔ اور طرز عمل بالکل رسمیات زمانہ کے مطابق تھا۔ لیکن انھوں نے اپنے واقعات زندگی سے فعل۔ علم اور عشق کا کمال ثابت کر دکھایا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ان کی حیات اور ان کا عہد ہی جیتا جاگتا وعظ۔ پرجوش دینی نصائح اور خدائے غفور الرحیم کا نمایاں ظہور تھا۔ اُنھوں نے اپنی طرز معاشرت سے ظاہر کیا کہ کامل اور خوش حال آدمی کس کو کہتے ہیں۔ اور بتایا کہ بغیر کسی مذہب کے پیرو ہونے اور رسوم دینی ادا کرنے کے صرف دنیوی فرائض کی انجام دہی سے کس طرح نجات حاصل ہو سکتی ہے۔

لیکن اُنھوں نے وعظ اس طرح کیا کہ جو لوگ اُن کے پاس آئے اُن کو ہدائتیں دیں اور اپنے احباب اور رشتہ داروں کو بتایا کہ سچا مذہب کیا ہے۔ وہ روزمرہ کی

زندگی میں الہامی اور آسمانی باتیں بھی بیان کرتے تھے۔ ہم ان سب متفرق اقوال کا مجموعہ ایک ایسی کتاب میں پاتے ہیں جو آج دنیا کی تمام کتابوں میں اعلیٰ درجہ کی سمجھی جاتی ہے۔ اس کا نام بھگوت گیتا (کلام ربانی) ہے۔

وہ سچے ایماندار ہندوؤں کی طرح زندگی بسر کرتے۔ زمانہ کے تمام موجودہ امور دینی اور اصول مذہبی کی پیروی کرتے اور برہمن علما کی قدر و منزلت کرتے تھے۔ انھوں نے قدیم مذہب کے ڈھانے اور اس کی جگہ اپنا نیا مذہب قائم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ ان کا قول تھا کہ نئے مذہب اختیار کرنے سے اپنے ہی مذہب پر قائم رہنا بہتر ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی فضیلت و خوبی کا محتاج ہو۔

سری کرشن کے فضائل و کمالات کی شہرت کے زمانے میں ہندوستان میں فلسفیوں کے تین فرقے نہایت معزز سمجھے جاتے تھے۔ ان میں سے سانکھ والوں نے عالم کی ابتدا نشو و نما اور کمال کی تشریح کرکے تلقین کیا کہ علم الیقین انسان کو دنیوی تکالیف اور ناپائدار ہستی کے علائق سے رہائی دیتا ہے۔ جوگ مارگ والوں نے بیان کیا کہ علم الیقین کے معنی علم الٰہی کے ہیں اور یہ علم فقط تصور اور ریاضت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور ویدانتیوں کا قول تھا کہ انسان کی ذات مصدر خالق عالم و عالمیان کی ذات قدسی صفات سے ہے۔ پس انسان کو اپنے مصدر کا جاننا لابد ہے۔ سری کرشن نے ان تینوں فرقوں میں سے کسی فریق کے مسائل پر حجت نہیں کی بلکہ سب کی تائید کی فقط ان فلسفوں کے سلسلوں میں جو جو کڑیاں کم تھیں وہ مہیا کر دیں۔ غرض انھوں نے

نہ کوئی نیا فلسفہ ایجاد کیا اور نہ نئے الہیات کے وعظ کہے۔

کل اصول موجود تھے ان پر جہل کی تاریکی کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ یا یوں سمجھو کہ ایک اندھی کوٹھری میں بہت سی عجوبہ اور نادر چیزیں موجود تو تھیں۔ مگر وہ بسبب احتیاج روشنی یا چشم بصیرت کے انسان کی نظر سے اوجھل رہیں۔ یہی حال اسوقت دنیا اور بنی آدم کا تھا۔ یعنی انسان کی خوشحالی کے دنیا میں سب سامان موجود تھے مگر ہر طرف ایسی تاریکی چھائی ہوئی تھی کہ باوجود قربت انسان اپنی خوشی کے ذرائع نہ ڈھونڈ سکتا تھا۔ سری کرشن نے اس ظلمت کدہ میں ایک روشن شمع رکھکر انسانوں کو وہی چیزیں مشاہدہ کرائیں جن کے دیکھنے سے وہ محروم تھے۔ کوئی نئی ایجاد نہیں کی۔

ہندوں کو اپنے نامی فلاسفہ کے ذریعہ سے معلوم ہوا تھا کہ علم الیقین نجات کا ذریعہ ہے۔ مگر وہ کیا ہے اور اُس کے حاصل کرنے کے کیا طریقے ہیں۔ ان سوالوں کا جواب برہمن یوں دیتے تھے کہ جگ اور جوگ اِس علم کے حصول کے ذریعے ہیں۔ سانکھ والے فلسفی کہتے تھے "مصائب انسانی کی اصلیت دریافت کرکے اُن سے نجات پانا علم الیقین کا درجہ ہے"۔ جوگ مارگ کے فلسفیوں کا مقولہ تھا "ریاضتہائے جوگ سے خداشناسی کا مرتبہ حاصل کرنا علم الیقین ہے"۔ اور ویدانتی بیان کرتے تھے کہ "اپنی ذات اور خدا کو ایک جاننا یعنی مقام شہود علم الیقین ہے"۔ الغرض اس سچے علم کے حاصل کرنے کے لئے چند وسائل کی خواہ وہ کچھ ہی ہوں ضرور حاجت تھی۔ لیکن ان ذرائع و وسائل کی بابت بہت بڑا اختلاف تھا۔ اور اس اصلی اصول کے مطلع پر تاریکی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ سری کرشن نے

اس ظلمت کو دور کر کے راہ خدا روشن کر دی اور طریق عمل بتایا۔

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ سری کرشن کی ہدایات اور تعلیمات کا مجموعہ بھگوت گیتا میں پایا جاتا ہے۔ مگر یہاں یہ ظاہر کر دینا مناسب ہوگا کہ گیتا کس کو کہتے ہیں گیتا سنسکرت کی نظم بدیع مہابھارت کا قصہ در قصہ ہے۔ اس کتاب میں وہ ہدایات اور نصائح مندرج ہیں جو سری کرشن نے ارجن کو کرکشیتر کے میدان میں اُسوقت کی تھیں جب اُس نے اپنے اعزا و اقربا کے ساتھ جنگ کرنے سے قطعی انکار کیا تھا۔ ہم سے اگلے نازک خیال مصنفین اور منشیان گرانمایہ اس معاملہ میں بہت کچھ خامہ فرسائی کر چکے ہیں پس ہم یہاں اس امر کی بحث ہی نہ کریں گے کہ آیا گیتا دراصل اس سے اعلیٰ نظم رزمیہ کا حصہ ہے یا بعد کا اضافہ۔ ہدایات و نصائح مندرجۂ گیتا فی الحقیقت سری کرشن کی تلقینیں ہیں یا مصنفین کی قوت متخیلہ کا نتیجہ۔ اور سری کرشن کو اس حصۂ نظم سے کچھ علاقہ بھی ہے یا نہیں۔ کچھ ہی ہو مگر یہ کہا جاتا ہے کہ ہدایات و نصائح مذکورہ سری کرشن کی بیان کی ہوئی ہیں۔ خود مہابھارت کے عالی قدر مصنف نے سری کرشن کو گیتا کا متکلم قرار دیا ہے اور سلف سے خلف تک عموماً ہندوؤں کا یہی عقیدہ ہے نیز سری کرشن کے واقعات زندگی پر نظر ڈالنے سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ان کی پُر ماجرا حیات کے حالات مسائل و ملفوظات گیتا میں موجود ہیں۔

جس وقت دونوں فوجیں میدان جنگ میں معرکہ آرائی کے لئے صف صف کھڑی ہوئیں تو ارجن نے اپنے دوست سری کرشن سے کہا کہ میرا رتھ ایسے مقام پر کھڑا

کیا جاوے جہاں سے میں لڑنے والی فوجوں کو اچھی طرح دیکھ سکوں۔ انھوں نے اس درخواست کو پورا کیا۔ اس وقت ارجن نے غل مچا کر کہا "اے سری کرشن ان یگانوں کو دیکھکر میرا مونھ خشک ہوا جاتا ہے۔ میرا بدن پھپنکا جاتا ہے۔ رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جسم تھراتا ہے۔ عضو عضو جدا ہوا جاتا ہے۔ کمان ہاتھ سے گری جاتی ہے۔ مجھ میں اب کھڑے ہونے کی بالکل سکت نہیں۔ مجھے چکر آرہے ہیں۔ یہ شگون بہت بُرے معلوم ہوتے ہیں ہائے اپنے عزیز و یگانوں کو جنگ میں قتل کر کے مجھے کونسی خوشی اور بہتری حاصل ہوگی میں فتحیابی سے باز آیا۔ اب مجھے نہ ملک گیری کی آرزو ہے نہ عیش و چین کی تمنا۔ اُف ہم جن کے لئے بادشاہت کی خواہش رکھتے ہیں وہی یہاں اپنے جان و مال پر خاک ڈالے لڑنے کے لئے آمادہ کھڑے ہیں۔ ان میں استاد شاگرد۔ باپ بیٹے۔ دادا پوتے ماموں بھانجے۔ خسر داماد۔ سالے بہنوئی سبھی ہیں۔ مجھے عقبیٰ کی سلطنت ملجائے تب بھی میں ان کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ خواہ وہ مجھے مار ہی ڈالیں۔ پھر دنیا کی بادشاہی کی کیا اصل و حقیقت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم جہانداری کی طمع سے اپنے یگانوں کے مار ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آہ، ہم کیسے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں! اے سری کرشن میں آپ کا مرید ہوا۔ فرمائیے میرے حق میں کونسی بات مفید ہوگی"۔

یہ ارجن کے دلی خیالات کی نہایت عمدہ تصویر ہے۔ جس کی نسبت امید کیجاتی تھی کہ وہ تمام مانع ہوئی مذہبی اور اخلاقی نیکیوں کو پامال کر کے ہر قسم کے تسلیم کردہ گناہ اور بدکاریوں کا مرتکب ہوگا۔ ناپائدار دنیا کی گزری میں ہر مرد و زن کے دل کی کیفیت کبھی

قدم قدم پر ایسی ہی ہوجایا کرتی ہے۔ کیونکہ بغیر کسی تعلیم کے نیک و بد کی تمیز سخت دشوار ہے۔ ممکن ہے کہ جو بات ایک شخص کے لئے اچھی ہے دوسرے کے حق میں بری ہو اور جو چیز آج اچھی ہے کل بری ہو جائے۔ اس لئے آرزومندانہ وہ کسی رہبر کو ڈھونڈتا ہے اور ارجن کی طرح پکار کر کہتا ہے "فرمایئے میرے حق میں کونسی بات یقیناً مفید ہو گی"۔ پس ایسی حالت میں سری کرشن بعض بالکل نئے اصول دینی اختراع نفرماتے اور اخلاقی دلائل سے اُن کو صحیح ثابت نہ کرتے تو کوئی ذی ہوش اور سلیم الطبع شخص یوں عقلی اور اخلاقی خوبیوں کا خون کر کے جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے رضامند نہ ہوتا۔ جن اصول و مسائل دیتیہ نے ارجن کے شکوک رفع کئے انھیں نے کل بنی نوع انسان کے دلوں کو تسکین دی۔

سری کرشن نے ارجن کے سوالات کے جواب میں فرمایا "تم ایسے شخصوں کے لئے رنج و افسوس کرتے ہو جو بالکل اُس کے مستحق نہیں ہیں۔ ذی علم نہ زندوں کا رنج کھاتے ہیں نہ مردوں کا غم کرتے ہیں۔ نہ کبھی میرا وجود تھا نہ تمھارا اور نہ کسی حکمراں کا اسی طرح ہم میں سے کبھی کوئی معدوم بھی نہ ہو گا۔ جو روح کو قاتل ٹھہراتا ہے یا مقتول سمجھتا ہے یقیناً عقل سے خالی اور سمجھ سے عاری ہے۔ وہ نہ کسی کو ہلاک کرتی ہے نہ خود ہلاک ہوتی ہے۔ نہ کبھی پیدا ہوتی ہے نہ مرتی ہے پس روح کو ان صفات سے موصوف سمجھکر تم کو ہرگز کسی بات کا رنج و غم نہ کرنا چاہیئے۔

اسی بنیاد پر سری کرشن اپنے فلسفہ کی عمارت اُٹھاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں "دنیا عالم مثال ہے یا عالم برزخ کا سایہ ہے۔ اس نمودار سایہ کے اُس طرف ایک اور

دنیا ہے جو لازوال ۔ غیر مبدل ۔ پیوستہ ۔ پائدار ۔ مستحکم اور ابدی ہے ۔ یہ عالم مثال ایک سراب ہے جس میں ذاتی اصلیت اور پائداری مطلق نہیں ہے ۔ پس تمہارے دنیوی افعال سرابی تبدیلیاں ہیں اور ان کا اثر عالم برزخ پر کچھ نہیں پڑ سکتا تمہیں جو پسند ہو وہ کرو تمہارا فعل اس حیرت انگیز عالم کے لئے کچھ نفع و نقصان نہیں کرسکتا تمہیں رنج محسوس ہوتا ہے کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ ہمارے افعال سچے عالم برزخ پر موثر ہوں گے لیکن یہ خیالات اور عقائد بالکل خام اور باطل ہیں ۔ تمہاری ہستی مثل خواب کے ہے"۔

وہ فرماتے ہیں "جس کا دل خود بینی کے دھوکے میں پڑا ہے وہ اپنے ہی آپ کو ہر فعل کا فاعل خیال کرتا ہے ۔ گو ہر کام ہر حالت میں قدرتی خاصیتوں سے انجام پاتا ہے کیونکہ عالم موجودات قدرت کاملہ سے وابستہ ہے ۔ پس اے ارجن جو کام تم مغالطہ کی وجہ سے کرنا نہیں چاہتے اُسے بلا قصد و ارادہ کرنے لگو گے ۔ ہر متنفس کے دل میں مالک حقیقی جلوہ گر ہے اور وہ اپنی قدرت سے اُسے ہر وقت اس طرح متحرک رکھتا ہے گویا کوئی چلا رہا ہو ۔ اس کا مطلب صاف لفظوں میں یہ ہے کہ تمہاری ہستی فی نفسہ سایہ کی مانند ہے ۔ تم کوئی کام خود نہیں کرتے ۔ تمہارے کاموں کی فاعل کوئی اور ہی ہستی ہے جسے تم خدا کہتے ہو مگر تم اپنی خود بینی کے پھیر میں اپنے آپ کو فاعل جانتے ہو اور یہ بڑی غلطی ہے ۔

یہ عالم برزخ اور عالم مثال کی سچی حقیقت ہے ۔ عالم برزخ لازوال ۔ غیر مبدل پیوستہ ۔ پائدار اور مستحکم ۔ برخلاف اس کے عالم مثال مبدل ناپائدار اور محدود وغیرہ ہے عالم برزخ میں تمام چیزیں خوبصورت ۔ مصفّٰی ۔ خالص ۔ خوشنما اور خدائی ہیں ۔ مگر عالم مثال

ہیں سب چیزیں ہیں - عمدہ خوبصورت - فرحت بخش اور خالص نہیں ہیں۔

تو پھر عالم مثال میں مصیبت - بدکرداری - جرم اور گناہ کیونکر پیدا ہوتے ہیں ناقابل برداشت تکالیف - مصائب - گریہ و شیون اور ہر قسم کی بدی شیطنت - بدذاتی - اور بدکرداری کا کیا سبب ہے؟

مغالطہ مایا کی وجہ سے انسان عالم مثال کی جھوٹی چیزوں کو سچا سمجھتا ہے، اور اس حالت خواب میں اُسے ہر خیالی چیز حقیقی معلوم ہوتی ہے۔ یعنی مغالطہ تکلیف اور مصیبت کا باعث ہے یہی بھول بنی نوع انسان کی جہالت اور نادانی ہے۔ یہی مایا کی پیدا کی ہوئی غفلت ہے اور یہی انسانی روح کی حالت خواب ہے۔

اس دقیق مسئلہ کو سمجھانے کے لئے ہم تھوڑی دیر کو اصلی - پائدار - لازوال اور مستحکم عالم برزخ سے قطع نظر کر کے ناپائدار، مبدل - بے بود اور جھوٹے عالم مثال کو سچی دنیا مانے لیتے ہیں - مگر ناظرین اس امر کو فراموش نہ کریں کہ عالم مثال کی ہستی خواب کی مانند ہے۔ جب تک انسان پر خواب طاری رہتا ہے اُسے اُس کا کذب معلوم نہیں ہوتا اور وہ اُس حالت کو سچا جانتا ہے۔ اسی طرح اس مغالطہ میں پھنسا ہوا انسان عالم مثال کو برحق سمجھتا ہے۔ یعنی مغالطہ کی وجہ سے دنیا سچی معلوم ہوتی ہے۔

اب یہ سوال ہے کہ زندگی کیا چیز ہے؟ حیات انسانی افعال ظاہری اور باطنی کا سلسلہ ہے۔ افعال کے بغیر زندگی قائم نہیں رہ سکتی - افعال سے نتائج اور نتائج سے نئے افعال پیدا ہوتے ہیں۔ یوں مغالطہ میں پڑے ہوئے انسان کی موت زیست کا سلسلہ

دور ابد تک قائم رہتا ہے اگر ہم کسی آدمی کی حالت پر غور کریں تو ثابت ہوگا کہ اس کا وجود اصلی نہیں بلکہ کسی شخص ماسبق کے افعال کا نتیجہ ہے۔ انسان کے مرنیکے بعد اُسکے افعال کے نتائج باقی رہتے ہیں اور وہ دوسرا انسان پیدا کر دیتے ہیں۔

مغالطہ (مایا) انسان کو خلق کرتا ہے۔ انسان سے افعال سرزد ہوتے ہیں افعال سے نتائج اور نتائج سے پھر انسان پیدا ہوتا ہے۔ وقس علیٰ ہذا یہی سلسلہ دور ابد تک جاری رہتا ہے۔ یہی فلسفہ ہے جسے سری کرشن نے ایجاد یا شاید تسلیم کیا۔ کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ یہی یا اس کے مثل کوئی اور فلسفہ اُن کے ظہور سے قبل بھی موجود تھا۔

ہم اس فلسفہ کو مان لیں تو ہمارا رستہ بہت صاف ہو جاتا ہے۔ ایک طرف خوشحال۔ خوبصورت۔ نیک۔ لازوال۔ غیر مبدل مستحکم عالم برزخ۔ اور دوسری طرف بدقسمت۔ نجس۔ بد۔ ناپائدار۔ اور متغیر عالم مثال کو رکھکر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ عالم اول الذکر ہماری حالت بیداری اور عالم آخر الذکر حالت خواب ہے۔ اصل میں ہم غیر مبدل لازوال۔ خوبصورت۔ نیک۔ اور خوش قسمت ہیں۔ مگر مغالطہ کے سبب سے بدنصیب مبدل۔ ناپاک اور نکبت زدہ ہو گئے ہیں۔

اس لئے یہ ہمارا یہی فرض ہوگیا کہ ہم اس خواب سے بیدار ہوں یعنی مغالطہ کو دور کر دیں۔ ہم اس مرحلہ کو طے کرلیں گے تو ہم غیر مبدل اور خوشحال ہو جائیں گے اور وہ حالت جسے نجات کہتے ہیں ہم کو حاصل ہو جائے گی۔

مغالطہ سے خودی اور خودبینی پیدا ہوتی ہے اور دل مغالطہ ہی ان سب علتوں

کی جڑ ہے۔ یہی انسان کے دل میں اُس کی ہستی کا خیال فاسد پیدا کرتا ہے جب وہ اپنی زندگی کو محسوس کرتا ہے تو اپنے گرد وپیش ایک جیتی جاگتی دنیا دیکھتا ہے۔ پس وہ اپنے وجود اور دنیا کو خوب پیدا کر لیتا ہے اُسے یہ من گھڑت دنیا بیشک اُسوقت تک سچی اور اصلی معلوم ہوگی جب تک وہ اپنی ہستی کو مغالطہ کی وجہ سے سچا سمجھتا ہے۔ مگر ہستی کیونکر محسوس ہوتی ہے؟ حواس ظاہری یا باطنی سے انسان محسوس کرتا ہے کہ اُس کے افعال کا صدور اُس کی ذات سے ہے۔ جب ہم کسی جسم کو بے حس و حرکت پاتے ہیں تو اُسے نعش کہتے ہیں۔ لیکن انسان ذو جسدین ہے۔ وہ جسم رکھتا ہے۔ ایک ظاہری دوسرا باطنی یا روحانی۔ جسم روحانی یا غیر مادی جسم ظاہری یا مادی کا حاوی ہے یعنی وہ اُسے بناتا اور سانچہ میں ڈھالتا ہے اور اُس کے ذاتی افعال بھی ہیں جسطرح جسم مادی حس و حرکت بند ہونے سے معطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جسم روحانی بھی صدور فعل کے موقوف ہونے سے معدوم ہو جاتا ہے۔ لہذا اصدار افعال ہستی کا وجود ہے انسان منفی فعل برابر ہے صفر کے یعنی انسان کو مفروق منہ اور فعل کو مفروق قرار دیں تو ان دونوں کا حاصل تفریق کچھ نہ ہوگا۔ پس انسانی وجود کی بقا افعال پر منحصر ہے۔ گو یہ افعال مغالطہ کے نتائج یا عالم خواب کے افعال ہوں تاہم وہ فعل ہی ہیں لہذا اُن کے نتائج بھی ہیں۔ مگر ان نتائج سے حالت خواب کے نتائج مراد ہیں۔ ہر فعل کے لئے ایک نتیجہ مخصوص ہوتا ہے۔ انسانی افعال ہمیشہ اپنے نتیجوں میں محفوظ رہتے ہیں۔ اور یہ نتائج پھر نئے افعال پیدا کرتے ہیں۔ یونہیں یہ سلسلہ منتہائے بقا تک جاری رہتا ہے انسان

مر جائے یا اپنے جسم مادی سے رحلت کرے مگر اُس کے باطنی افعال قائم رہیں گے اور یقیناً کسی اور روحانی یا مادی پیدائش کا ذریعہ ہوں گے۔ یا کسی دیگر طریقہ پر مؤثر ہونگے یوں مغالطہ جو انسان کو پیدا کر کے اُسے اُس کی شخصی ہستی دکھاتا ہے۔ یوم القیام تک اُسکو بند رکھتا۔ ہر انسان بہت سی دفعہ مرتا اور زندہ ہوتا ہے۔ بہت سے رنج و آرام اٹھاتا ہے اور بہت سے انقلاب دیکھتا ہے۔ جب تک مغالطہ کا بھوت اُسپر سوار رہتا ہے وہ شخصی ہستی کے خواب سے بیدار نہیں ہوتا۔ فی الحقیقت انسان حیات و ممات اور تناسخ کا پابند نہیں لیکن مغالطہ کی وجہ سے جب تک خواب دنیا اُس پر طاری ہے حیات و ممات اور تناسخ لابدی ہے۔ یہ بیان کرنا ضرور نہیں کہ مغالطہ کے دام سے رہائی پانا بالکل آسان نہیں۔ مگر کیا اپنی ہستی کو فراموش کر سکتا ہے؟ کیا دلی مغالطہ رفع ہو سکتا ہے اور خواب غفلت سے بیدار ہو کر انسان اپنی سچی اور اصل ہستی کو دیکھ سکتا ہے؟

سریکرشن نے فرمایا "علم روحانی حاصل کرنے سے جس کا نتیجہ زہد ہوگا انسان اپنی ظاہری ہستی فراموش کر کے سچی اور اصلی ہستی دیکھ سکتا ہے۔ جو دانشور دولت زہد و عشق حاصل کر لیتے ہیں وہ ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں رنج و تکلیف بالکل نہیں ہے۔ اور جس وقت دل ریاض تصور (سمادھی) سے مضبوط اور مستقل ہو جاتا ہے یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے۔"

اس کے بعد سریکرشن نے اس علم کے حاصل کرنے کے مختلف ذرائع و وسائل بیان کئے۔ اور تصور ریاضتہائے جوگ۔ زہد و غیرہ کے حالات ظاہر کئے۔ یہ مسئلہ کہ مغالطہ

علم کے حاصل کرنے سے رفع ہو سکتا ہے۔ سری کرشن کا ایجاد کیا ہوا نہ تھا بلکہ اکثر فلاسفہ نے اُن کے ظہور سے قبل بھی ایسا ہی کہا تھا۔ لیکن اس علم کی تحصیل کی بابت بڑا اختلاف تھا۔ تین مسلمہ طریقے اُس وقت رائج تھے یعنی تصور نفس کشی اور زہد باطنی۔ سری کرشن نے ان تینوں کو قبول کیا۔ مگر جب ارجن نے اعتراض کیا کہ زہد باطنی کو افعال پر فضیلت ہے تو افعال کی عظمت اور ضرورت پر اسقدر کیوں زور دیا گیا۔ اُس وقت سری کرشن نے فرمایا "صرف افعال ہی کے ذریعہ سے انسان کو افعال سے آزادی مل سکتی ہے۔ بغیر افعال کے انسان ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس ایسے زہد کو ترجیح ہے جو افعال سے حاصل کیا جاوے۔"

حصول زہد باطنی کے لئے کیا کیا افعال کرنے چاہئیں؟ سری کرشن نے جواب دیا "اپنے فرائض لازمی" اور فرمایا کہ جو شخص اپنی زندگی کے فرائض ادا کرتا ہے اور اجر کی خواہش نہ رکھکر انھیں منعم حقیقی کے سپرد کرتا ہے۔ وہ دنیا کی جھیل میں کنول کے پھول کی طرح تیرتا ہے اور اُسے مد و جزر کے تھپیڑوں سے ذرا بھی گزند نہیں پہنچتا۔

انسان کو اپنے فرائض ادا کرنا چاہئے خواہ وہ ناگوار ہوں یا خوش آیند۔ بد ہوں یا نیک۔ جو شخص اپنا کار خدمت جو قانون قدرت نے اس کے لئے معین کیا ہے انجام دیتا ہے وہ کسی گناہ کا مرتکب نہیں۔ اس لئے انسان کو اُن فرائض کے ادا کرنے سے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے پہلو تہی نہ کرنا چاہئے گو وہ سراسر غلطیوں سے مملو ہوں۔ انسانی فہم و ادراک سہو و خطا سے مرکب ہے۔ جس طرح آگ کے ساتھ دھواں

ہی اسی طرح عقل کے ساتھ غلطیاں ہیں۔ انسانی سمجھ کے لئے مذہب نہایت ادق مضمون خیال کیا جاتا ہے۔ دنیا و عقبیٰ میں خوش حال رہنا۔ ابدی راحت اور روحانی مسرت حاصل کرنا بہشت و نجاۃ کا ملنا انسان کے لئے یہ مشکل مسئلے تھے۔ نجاۃ حاصل کرنے کے جو طریقے معلوم تھے یا ایجاد ہوئے اُنکا اختیار کرنا اس قدر دشوار تھا کہ انسان راہ بہشت کی منزلیں طے نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ بات ضرب المثل ہوگئی تھی کہ بہشت کا رستہ پُرخار ہے۔ اس امر کا بیان کرنا سری کرشن کے حصہ میں آیا کہ نجاۃ راحت دائمی اور مسرت روحانی کا حاصل کرنا بالکل سہل ہے۔ جسقدر آسانی سے پانی اور ہوا دستیاب ہوتے ہیں ویسے ہی یہ چیزیں بھی سہل الوصول ہیں۔ جس حبیب مطلق نے انسان کی زندگی کے لئے ہوا اور پانی ہر جگہ مہیا کر دیئے ہیں اُسی نے نجاۃ کے طریقے بھی آسان رکھے ہیں۔ پس حصول نجاۃ کے لئے اپنے طریقہ سے تجویز کرنا اور دشوار یا ناممکن مسالک کا اختیار کرنا ضرور نہیں۔ صرف اپنے فرائض کا ادا کرنا ہی کافی ہے اور اسی سے نجاۃ ہو جاے گی۔

یہ سری کرشن کی انوکھی اور اعلیٰ تعلیم تھی اور اُن کا فرمان واجب الاذعان یہی تھا کہ "اپنے فرائض ادا کرو" مگر وہ خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہوں۔ اُن کی پر ماجرا حیاۃ کا ہر فعل خالص اور پاک تھا اور جو کام وہ کرتے تھے اُس میں کچھ نہ کچھ نیکی ضرور ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ پانڈو کے ہاں اُنکا اکلوتا پوتا مردہ پیدا ہوا اور سری کرشن سے اُسکے قالب میں تازہ روح پھونکنے کی التجا کی گئی تو اُس وقت اُنھوں نے فرمایا "مینے عمر بھر

میں کوئی بُرا اور ناپاک کام نہ کیا ہو تو یہ بچہ زندہ ہو جائے " بچہ فوراً زندہ ہو گیا۔

انسانی فرائض ہمیشہ کسی نہ کسی شرط سے مشروط ہوا کرتے ہیں۔ اپنے چچا زاد بھائیوں کو اُن کے واجبی حقوق عطا کرنا درجودھن کا فرض تھا۔ وہ ادائے فرض میں قاصر رہا۔ تو اپنے استحقاق کے لئے جنگ کرنا پانڈو کا فرض ہوا۔ اور فتحیابی کی تدابیر سوچنا بھی ان پر فرض تھا۔ جنگ کو روکنا درجودھن کا فرض تھا۔ اور جنگ میں فتحیاب ہونا ارجن کا فرض تھا۔ مگر انسان کو اپنے لازمی اور سچے فرائض کی تمیز کیونکر ہو؟ سری کرشن نے فرمایا " حصول علم اور مناسب تعلیم سے یا گنجینۂ خرد عقلائے قدیم یعنی شاستروں کے مطالعہ سے۔ اور فرمایا کہ اپنے فرائض خواہ وہ کچھ ہی ہوں ادا کرو اور اُن کے بُرے بھلے ہونیکا خیال نہ کر کے اُن کا ادا کرنا بھی واجب جانو۔

یہ تو مانا کہ ہمارے افعال (ادائے فرائض ذاتی) کا اثر لازوال اور مستحکم عالم برزخ پر کچھ بھی نہیں پڑتا اور یہ عالم خواب کے افعال ہیں جبتک ہم اپنی ہستی کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ افعال ہم کو دنیا میں مصیبت زدہ رکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ امر بھی قرین قیاس ہے کہ یہی افعال ہم کو ابد الدہر تک خراب و خستہ رکھیں گے۔ مگر ان کی ایذا رسانی اور پُر درد تاثیرات کس طرح دور ہوں؟ سری کرشن نے فرمایا " تمھارا ہر فعل خواہشات نفع ذاتی سے پاک ہو۔ تم کبھی نتیجۂ اخیر پر نظر نہ رکھو۔ اور اپنے افعال کا اجر یا صلہ ملنے کی تمنا نہ کرو "

اپنی جملہ تعلیمات کا مطلب سری کرشن نے چند الفاظ میں یوں سمجھایا ہے " جو

بشر اپنے افعال کا ثمرہ پانے کی آرزو نہ رکھکر فرائض منصبی ادا کرتا ہی وہی زاہد و عابد ہی" یہ قول ظاہر کرتا ہی کہ تم کو بلا ارادہ اور خواہش ذاتی کے کام کرنا چاہئے۔ مگر ارادہ بلا خواہشات اور اغراض کے ہو نہیں سکتا۔ اگر یہ ممکن ہو سکے تو تمھارے لئے اِس طرح کام کرنے سے نیک و بد عذاب و ثواب کچھ نہ ہوگا۔ انھوں نے خود فرمایا کہ افعال مجھے ناپاک نہیں بناتے۔ کیونکہ مجھے ان کا ثمرہ حاصل کرنے کی خواہش نہیں۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم فرائض ادا کریں لیکن ہمارے افعال اولاً اغراض خواہشات سے مبرّا ہوں اور ثانیاً نیک و اطہر ہوں۔ مگر ایسے افعال کون شخص کر سکتا ہی۔

"وہ شخص جس کا دل (جو عالم مثال کی ماہیت کا مرکز ہی) مردہ ہو گیا ہی جو اس ظاہری دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کرکے اصلی دنیا کا مشاہدہ کرتا ہی۔ جو مغالطہ کے خواب سے بیدار ہو گیا ہی" اُس کے نزدیک جملہ افعال بلا نتائج یا خواب و خیال کی مانند ہیں۔ وہ شخص مثل ایسے آسمان کے ہی جو ہر گھڑی مختلف جھلکیاں دکھاتا۔ نئی نئی شکلیں اختیار کرتا۔ اور طرح طرح کے رنگ بدلتا ہی۔ مگر کسی حالت سے متاثر نہیں ہوتا۔

گیتا میں بیان کیا گیا ہی کہ جب سری کرشن کی تمام بحث و حجت ارجن پر عالم مثال کا کذب اور بے ثباتی ثابت کرنے میں بے اثر ثابت ہوئی اور اِس باب میں اُن کے مساعی مشکور نہ ہوئے تو مجبور ہو کر انھوں نے عالم برزخ کا مشاہدہ کرایا جس کو دیکھ کر ارجن کے دل سے مغالطہ دور ہوا اور فوراً اس دنیا کا غیر حقیقی ہونا اُس کی سمجھ میں آگیا۔

بلا خواہش و آرزو کام کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنے افعال کو غیر مؤثر بنائیں یعنی اُن میں اغراض و مقاصد دلی نہوں۔ بیشک عالم مثال کا مغالطہ اور اُس کی پیدا کی ہوئی خودی اور خود بینی دور کرنے کا یہ نہایت آسان طریقہ ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مغالطہ سے شخصیت پیدا ہوتی ہے اور شخصیت سے فعل۔ پس اگر ہمارے افعال سے نتائج نہ پیدا ہوں تو اُن سے آیندہ بھی افعال مستخرج نہ ہوں گے۔ یوں اُنکا خاتمہ ہوجائیگا لیکن یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟۔

ہم فرداً فرداً افعال انسانی کا معائنہ کریں تو ہم بالامکان کوئی فعل ایسا نہ پائیں گے جس کے ساتھ کوئی غرض نہ لگی ہو۔ یہ غرض خواہ کسی نتیجہ کے لئے خواہ کسی ثمرہ کے واسطے ہوگی۔ اصدار فعل بغیر مافی الضمیر کے ناممکن ہے جب تک دل قائم ہے اغراض و خواہشات اُس میں ضرور ہوں گی۔ سری کرشن بار بار فرماتے ہیں "جو فعل تمھیں پسند ہو وہ کرو مگر اُس کے نتیجہ کی خواہش نہ کرو"۔ گویا در پردہ اُن کا یہ منشا ہے کہ ہم اپنے دل کو فنا کردیں کیا درحقیقت یہ ممکن ہے؟۔

یہ امر آسان نہیں ہے کہ بلا کسی غرض یا بغیر اپنے افعال کا ثمرہ پانے کی خواہش کے ہم کوئی کام کرسکیں۔ سری کرشن فرماتے ہیں "اپنے فرائض ادا کرو مگر اُن کے ادا کرنے سے کوئی فائدہ اُٹھانے کی خواہش نہ کرو"۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ سری کرشن نے جواب دیا "مغالطہ دور کرنے سے" اور اُس کے اُنھوں نے چار جداگانہ طریقے بیان فرمائے۔

۱۔ مراقبہ یعنی دھیان

۲۔ ریاضتہائے جوگ۔

۳۔ استقلال عشق آلہی۔

۴۔ ادائے فرائض بلا اغراض و خواہش۔

الفاظ ذیل میں سری کرشن اپنی تعلیمات کو مجملاً بیان کرتے ہیں "تم ثابت قدمی سے میری جانب (اول سے آخر تک گیتا میں سری کرشن نے اپنی ذات قدسی صفات کو خدائے عزوجل قرار دیا ہے) اپنے خیالات کو رجوع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے تو سختی عشق و عبادت سے میری قربت حاصل کرو۔ عشق میں ثابت قدم نہ رہ سکو تو ادائے فرائض میں سرگرم رہو۔ سختی عشق سے علم بہتر ہے۔ علم پر مراقبہ یعنی تصور کو ترجیح ہے۔ اور تصور پر ترک خود غرضی یا خواہشات نفسانی کو فضیلت ہے۔ کیونکہ اس سے روح کو کامل آزادی حاصل ہوتی ہے" انھوں نے روح کی کامل آزادی کے لئے ذیل کے چار طریقے اس ترتیب سے بتائے ہیں۔

اول ۔ افعال بلا خواہشات نفسانی (فرائض)

دوم ۔ مراقبہ یا تصور (سمادھی)

سوم ۔ ریاضتہائے جوگ۔

چہارم ۔ استقلال عشق آلہی۔

ان سب میں انھوں نے افعال یا فرائض کو فائق قرار دیا ہے۔ مگر یہ افعال ایسے ہوں جن کے ادا کرنے میں اغراض و مقاصد کچھ نہ ہوں۔

مراقبہ (تصور)، ریاضتہائے جوگ اور عشق الٰہی کی تحصیل آسان نہیں ہے جو شخص ان تینوں طریقوں کے ذریعہ سے نجات چاہتا ہے اُسے ترک دنیا کرکے عزلت نشینی اختیار کرنی ہوگی۔ اور وہاں اُسے سخت نفس کُشی کرنی اور سختی اُٹھانی پڑے گی۔ اسقدر مجاہدہ اور ریاضت کے بعد بھی شاید ہزار میں ایک کو کامیابی ہو تو ہو۔ لیکن بلا خواہشات نفسانی فرائض کا ادا کرنا اسقدر دشوار نہیں ہے۔ اسے ہر مرد و زن ہر طبقہ کی ہر حالت میں کرسکتا ہے۔ لیکن اس کی انجام دہی کیونکر ممکن ہے۔؟

ہاں دل کی یک سوئی سے یہ عقدہ حل ہوسکتا ہے۔ سری کرشن نے ایک شے کی طرف ارجاع دل کے چند ذرائع بیان فرمائے ہیں۔ جن میں سے زہد وطاعت آلٰہی کو ترجیح دی ہے۔ زہد وطاعت کی دولت عشق آلٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔ یعنی اول اول انسان کو چاہئے کہ قدرت کاملہ اور قدرتی اشیاء سے عشق کرے۔ پھر اس سے تجاوز کرکے خالق قدرت کاملہ کی طرف رجوع کرے۔ فعل وہی فعل ہے جس سے صرف خدا پرستی ہو۔ کام وہی کام ہے جس سے خالق اکبر اور اس کی کائنات کی محبت بڑھتی ہو۔

کیا یہ ناممکن ہے۔؟ سری کرشن نے جواب دیا۔ "نہیں"۔ اب ہم یہاں ایک نظیر سے اُن کے الفاظ کی تشریح کرتے ہیں۔ عساکر برطانیہ کے سپاہی جنگ میں لڑتے ہیں تو خود بھی مارے جاتے ہیں اور اُن کو بھی قتل کرتے ہیں۔ مگر یہ کام وہ بغیر کسی خواہش یا مطلب کے کرتے ہیں۔ وہ صرف اپنے جنرل کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں بلکہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ہم کرتے کیا ہیں۔ وہ حرکت کرتے کوچ کرتے۔ دوڑتے اور بندوقوں کے

پھیر کرتے ہیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ یہ باتیں کس غرض سے کی جاتی ہیں۔ وہ کٹھ پتلیوں کی طرح جنرل کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ جو کچھ حکم ملتا ہے اُس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور اُس کی بجا آوری ہی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ جنھیں وہ قتل کرتے ہیں اُن میں اکثر اُن کے عزیز و بیگانے بھی ہوتے ہیں۔ اُن کی زندگی اُن کی خواہشات اُن کے اغراض و مقاصد سب اُن کے جنرل کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جنرل کے حکم کی متابعت میں جو کچھ ہم کرتے ہیں اس سے ہماری فلاح۔ ملک کی رفاہ اور مقدمۂ جنگ کی بہتری متصور ہے۔ غرض ان کا دل اُن کا نور ایمان اور جملہ چیزیں اُن کے جنرل کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔

اس نظیر سے واضح ہے کہ بلا خواہش و اغراض کام کرنا ناممکن نہیں ہے مگر یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کسی دوسرے پر پورا بھروسہ ہو جاوے۔ اگر ہم کو یہ معلوم ہو جاوے کہ ہم اپنے کردار کے جوابدہ نہیں ہمارا بھی کوئی جنرل ہے جس کے حکم کے بموجب ہم عمل کرتے ہیں اور وہی ہمارے افعال کا ذمہ دار ہے۔ ہم کو بذاتہٖ کسی امر میں غور و خوض کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے جملہ کاموں کی ہمارے کارساز کو فکر ہے۔ وہ ہمیں ہمارے مفید مطلب امور کی ہدایت کریگا۔ تو بیشک ہماری تمام دقتیں رفع ہو جائیں اور فی الواقع ہم سے افعال بلا خواہش و اغراض سرزد ہونے لگیں۔

سری کرشن کا یہ مطلب ہے کہ خدا کے ہاتھ میں اپنے آپ کو انسان کٹھ پتلی کی طرح تصور کرے یا اپنے تئیں سپاہی اور خدا کو جنرل جانے اور اپنے دنیوی افعال کو

ادائے فرائض بہ متابعت حکم جنرل سمجھے ایسے ایمان و عقیدہ سے عمل کرے کہ جو کام وہ کرتا ہے اُس کا فاعل خدائے کارساز ہے۔ اُنھوں نے فرمایا۔ "ارجن تو ہر حال میں مجھی سے (خدا سے) پناہ مانگ۔ میری ہی (خدا کی) عنایت سے تجھے اطمینان کامل اور راحت دائمی حاصل ہوگی۔

گو انسان اور خدا کو سپاہی اور جنرل کے ساتھ تشبیہ دینا "مناسبت اعلے بہ ادنیٰ ملابست" ہے تاہم ہمارے نزدیک یہ مثال اس بات کے سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ انسان بلا خواہشات نفسانی و مقاصد دلی کیونکر کام کر سکتا ہے۔

سری کرشن نے بہ تکرار فرمایا۔ "تم اپنی نجات چاہتے ہو تو پورے طور سے مجھ پر (خدا پر) بھروسہ کرو۔ تم اپنے فرائض ادا کرنا چاہتے ہو اور تمھیں بلا خواہش و اغراض کام کرنا مقصود ہے تو مجھ کو (خدا کو) اپنا رہبر اور مالک کل سمجھو۔ اپنے فرائض ادا کرو خواہ وہ کچھ ہی ہوں۔ اور اپنا عقیدہ مضبوط رکھو کہ میں (خدا) اُن کے نتائج کا ذمہ دار ہوں۔

سپاہی اپنے جنرل کو دیکھ سکتا ہے۔ مگر انسان خدا کو چشم ظاہر بیں سے نہیں دیکھ سکتا۔ پس جس کو ہم دیکھ نہیں سکتے بلکہ ہم میں سے بہت سے جس کو محسوس بھی نہیں کر سکتے اُس پر بھروسہ کرنا امر آسان نہیں ہے۔ انسان کا خدا پر نادیدہ بھروسہ کرنا کیونکر ممکن ہے؟ یہی سوال ارجن نے جب سری کرشن سے کیا تو انھوں نے جلوہ پنہاں آشکارا کر کے دکھا دیا۔ اور خدا کی تصویر ارجن کے آئینۂ خیال کے سامنے کر دی۔ مگر

اب سوال یہ ہے کہ اور شخص خدا کو کیونکر دیکھ سکتے ہیں؟

یہاں سری کرشن نے چند طریقے معرفت اور خدا شناسی کے بیان کئے ہیں۔ مگر ہم ان فلسفیانہ امور پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ بالآخر انھوں نے فرمایا کہ بے دیکھے بھالے خدا کی پرستش کرنی انسان فانی کے لئے سخت دشوار ہے لہٰذا انسان کامل یا پرستش کرنی چاہئے۔ اور وہ نمایاں شکل عالم مخلوقات ہے۔ انسان مخلوقات کی پرستش کیونکر کرسکتا ہے؟ سری کرشن نے فرمایا "بھگتی یا عشق کے ذریعہ سے"

سری کرشن فرماتے ہیں کہ ہمیں خدا پر پورا بھروسہ کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہدایت کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کی پرستش شکل نمایاں میں کرنی چاہئے۔ کیونکہ دنیا کے مغالطہ کی وجہ سے انسان خدا کو بے دیکھے نہیں جان سکتا۔ جس طرح سویا ہوا آدمی اپنی خوابگاہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ پس انسان کو کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو اُسکے امکان میں ہو اور جس کے ذریعہ سے وہ خدا کا معتقد ہوسکے۔ عالم مثال جھوٹا نا راست اور غیر حقیقی نہیں ہے بلکہ مغالطہ کی وجہ سے وہ انسان کو جھوٹا اور غیر حقیقی معلوم ہوتا ہے فی نفسہ وہ سچا اور اصل ہے۔ مگر جس نظر سے انسان اُس کا مشاہدہ کرتا ہے ویسا نہیں ہے سری کرشن فرماتے ہیں "عالم مخلوقات اصل میں ویسا نہیں ہے جیسا انسان اُس کو سمجھتا ہے تاہم وہ جھوٹا اور غیر حقیقی نہیں ہے۔ عالم مثال گو مغالطہ کی وجہ سے انسان کا پیدا کیا ہوا ہو مگر وہ خدا کی شکل نمایاں ضرور ہے۔ یعنی وہ شکل جس میں خدا کو انسان اپنی حالت خواب میں دیکھ سکتا ہے۔

خداے حقیقی کو جاننا مغالطہ میں پڑے ہوئے انسان ضعیف البنیان کے امکان سے خارج ہے ۵

اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

لہذا قدرت کاملہ یعنی عالم موجودات کو اپنا خدا ماننا چاہیئے۔ خدا نہ سہی تو خدا کی شکل ظہوری سہی۔

انسان قدرت کاملہ کا کیونکر معتقد ہو سکتا ہے؟ کیا یہ امر در حقیقت ممکن ہے؟ ہاں ممکن ہے۔ سری کرشن نے فرمایا "انسان بھگتی (عشق) سے خدا (قدرت کاملہ) پہ ایمان لا کر بھروسہ کر سکتا ہے"

بھگتی کیا ہے؟ بھگتی سے ہم کو وہ معنی نہ سمجھنا چاہیئے جو ہم عشق سے سمجھتے ہیں بھگتی سے عشق آلہی مع استعجاب و تحسین و تبارک و انحصار مراد ہے۔ بھگتی انسانی دل کی کل احسن و اعلی صفتوں کا مجموعہ ہے۔ کیا انسان ایسے عشق سے نیچر (قدرت کاملہ) کا عاشق ہو سکتا ہے؟ ہاں ہو سکتا ہے۔

جب ایک نوجوان آدمی کسی نوخیز ناظورہ زاہد فریب کے حسن و جمال کو دیکھکر اُس کا دیوانہ ہو جاتا ہے۔ تو قدرت کاملہ سے زیادہ حسین اور دلربا اور کون ہے مگر وہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کے حُسن و جمال کا نظارہ کرنا ایسا آسان نہیں ہے جیسا کسی کمسن حسین مہ جبین کا جوبن لوٹنا۔ قدرت کاملہ کے حسن کی قدرشناسی کے

واسطے انسان کو تربیت کی ضرورۃ ہی۔ جب اُسے ضروری تربیت ہو جائے گی تو وہ اُس کا قدر دان ہو جائے گا۔ یہاں حسن کی قدر دانی سے فریفتگی اور فریفتگی سے عشق کامل مراد ہی۔

اگر ہم کو کسی معشوقہ نسترن بناگوش سے عشق ہو جائے تو ہمیں اُس کی ہر چیز پیاری معلوم ہوگی۔ اسی طرح قدرت کاملہ کا عشق صادق انسان کے دل میں ہر ایک قدرتی چیز کا اُنس پیدا کر دیتا ہی۔ جلتے ہوئے ریگ بیاباں سے پہاڑوں کی سفید سفید برفیلی چوٹیوں تک۔ چھوٹے چھوٹے حشرات الارض سے ترتیب یافتہ انسان تک نرم دودھ سے دھوئے ہوئے سبزہ سے اونچے اونچے درختوں تک اُس کا عشق عام ہو جاتا ہی اور وہ ہر شے کو عزیز سمجھنے لگتا ہی ؎

جہاں دیکھو وہاں اقرار ہی تیری خدائی کا
ہر اک سو موجزن ہی بحر تیری کبریائی کا

جس وقت انسان کو یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہی تو وہ قدرت کاملہ کو دیکھتا ہی اور اُس کو اس قدر بڑا خوبصورت اور گراں قدر محسوس کرتا ہی کہ اُسے تمام قدرتی اشیا میں ایک غیر ممکن الادراک روح کی موجودگی معلوم ہوتی ہی اور اُس کی برتری و عظمت کے مقابلہ میں اُسے اپنی ہستی محض ہیچ معلوم ہوتی ہی۔ جب وہ قدرت کاملہ اور اپنی ہستی کا موازنہ کرتا ہی تو غیر محدود قدرت خالق میں وہ اپنے آپ کو ایک ذرّہ کی مثال پاتا ہی۔ یوں تمام اُس کا کبر و غرور دور ہو کر رفتہ رفتہ اُسے ظاہر ہونے لگتا ہی کہ میں نہایت

ضعیف و کمزور ہوں بلکہ درحقیقت کچھ بھی نہیں ہوں۔

ایک جانب کمزور بلکہ نہایت ہی کمزور انسان ہے اور دوسری جانب قوی بلکہ نہایت ہی قوی روح ہے۔ ایک طرف بےبسی اور کمزوری دوسری طرف بے انتہا طاقت کی شوراشوری۔ اس حالت میں انسان اپنے آپ کو پاتا ہے تو فوراً قدرۃ کی روح سے حفاظت اور اعانت کی التجا کرتا ہے اور اس کا مطیع و منقاد ہو جاتا ہے۔ جیسے بچہ کو اپنی کمزوری اور اپنے والدین کی طاقت محسوس ہوتی ہے تو وہ ان کا آسرا لیتا ہے اور ہر کام میں سہارا ڈھونڈتا ہے اسی طرح انسان فقط اسی وقت کسی طاقتور پر بھروسہ اور انحصار کر سکتا ہے جب اُسے اپنی کمزوری اور بیچارگی معلوم ہو جائے۔

پس ثابت ہو گیا کہ قدرت کاملہ کی قدرشناسی کے واسطے انسان کو تربیت کی ضرورۃ ہے۔ قدرۃ کی قدردانی سے قدرۃ کا عشق اور قدرۃ کے عشق سے قدرتی اشیا میں کسی برتر روح کا احساس ہوتا ہے۔ اس برتر روح کی موجودگی سے انسان اپنا ضعف و انحطاط اور روح مذکور کی برتری اور عظمت دریافت کرتا ہے اور اپنی بیچارگی اور کمزوری کے علم سے اُسے خدا پر انحصار ہو جاتا ہے۔

اب ہم اپنے دلائل کی توضیح کے لئے مدارج بالا کو اُس ترتیب سے جیسے اُن کی تحصیل ہونی چاہیے سلسلہ وار ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) تعلیم

(۲) تربیت

ان دونوں سے (۱) "قدرت کاملہ کی قدر شناسی" کا مادہ پیدا ہوگا اور اس سے

(۱) "عشق قدرت کاملہ" اور

(۲) "خدا پر انحصار" پیدا ہوکر انسان میں ذیل کے کاموں کی قابلیت پیدا ہوگی۔

(۱) اصدار فعل بلا خواہش و طمع نفسانی (فرائض ذاتی)

(۲) ادائے فرائض بلا خواہشات نفسانی۔

(۳) علم فرائض ذاتی و لازمی۔

امور مصرحۂ بالا سے حسب ذیل نتائج مستخرج ہوں گے۔

(۱) افعال بلا خواہشات نفسانی سے نتائج پیدا نہ ہوں گے۔

(۲) افعال بے نتائج سے افعال کا خاتمہ ہوگا۔

(۳) ان افعال سے آیندہ افعال پیدا نہ ہوں گے۔

(۴) فعل پر انسان کی ظاہری ہستی منحصر ہے پس فعل موقوف ہونے سے ہستی فنا ہو جائیگی۔

(۵) مگر انسان در اصل غیر مبدل اور غیر فانی ہے۔ لہذا صرف ظاہری ہستی فنا ہوگی اور انسان باقی رہیگا۔

یوں اپنے آپ کو وہ سچی ہستی میں پائیگا اور مغالطہ دور ہوکر وہ محفوظ و مصئون ہو جائیگا۔ اب وہ ہندوؤں کے عقیدے کے بموجب خدا۔ بودھ مذہب کے بزرگوں کی سمجھ کے مطابق بودھ۔ مسیحیوں کے عقائد کے موافق عیسیٰ۔ اور اہل اسلام کے ایمان کی رو سے فنا فی اللہ ہوگیا۔

یہاں ہم سری کرشن کی تعلیمات کا خلاصہ لکھتے ہیں۔ اُن کا مطلب یہ ہے کہ انسان مغالطہ اور مغالطہ کی پیدا کی ہوئی تکالیف سے نجات پانے کے لئے ذیل کے تین طریقے اختیار کرے۔

(۱) قدرت کاملہ اور قدرتی اشیاء کا عشق۔

(۲) فرائض جاننے کے لئے تحصیل علم۔

(۳) افعال یعنی ادائے فرائض بلا خواہشات نفسانی۔

علم سے معلوم ہوگا کہ کن فرائض کا ادا کرنا ضروری ہے۔ عشق آلہی سے خدا پر اعتقاد ہوگا۔ خدا پر اعتقاد ہونے سے ادائے فرائض میں خواہش نفسانی پیدا نہ ہوگی مگر یہ امر آسان نہیں ہے۔ اپنے جنرل کے احکام کی تعمیل کرنے کے لئے سپاہی کو کئی سال تک فوجی قواعد سیکھنی پڑتی ہے۔ اسی طرح پہلے انسان کو مدت مدید تک تربیت کے زیور سے اپنی روح آراستہ کرنی چاہئے جب کہیں خدا کے کامل اعتقاد کا نور اُس کے چہرہ سے نمایاں ہوگا۔ قصد اور ارادہ شرط ہے۔ کوشش بلیغ کامیابی کے لئے ضرور ہے مگر اس میں شک نہیں کہ اکتساب علم و عشق میں بہت بڑا حصہ بنی نوع انسان کا قاصر رہیگا اور اپنے فرائض بلا خواہشات نفسانی ادا نہ کرسکیگا۔ سری کرشن نے فرمایا ہے جب کبھی ادائے فرائض میں سستی اور کمی واقع ہوتی ہے اور دنیا میں فسق و فجور حد سے گزر جاتا ہے تو میں (خدا) نیکیوں کی پناہ دہی اور بدوں کی بربادی کے لئے پھر پیدا ہوتا ہوں

ہمکو سری کرشن کی تعلیمات سے معلوم ہوا کہ انسان ایک پوشیدہ۔ لازوال

مستحکم - غیر مبدل اور خوش حال عالم کا جزو ہے - یہ پوشیدہ عالم اُس کی نظر سے غائب ہے یعنی گو وہ اس میں رہتا ہے مگر خواب غفلت اُس پر طاری ہے ؎

تھا تو یہ خاک مگر کان میں کچھ غفلت نے
ایسی پھونک دی کہ ہوا میں یہ بشر آہی گیا

یہ غفلت کا خواب عالم مثال ہے جس میں ہر قسم کی مصیبتیں اور کلفتیں ہیں - انسان اس عالم رویا میں بہت سی حیات و ممات دیکھتا ہے - اس لئے اس کو لازم ہے کہ حصول مسرت و نجات کے لئے خواب سے بیدار ہو کر اصلی ہستی کا مشاہدہ کرے - سچے جائے قیام عالم برزخ کو تلاش کرے اور مغالطہ کے دام سے رہا ہو - مغالطہ دور کرنے کے چار طریقے ہیں - استغراق مراقبہ - ریاضتہائے جوگ - استقلال عشق الٰہی - ادائے فرائض بلا خواہشات نفسانی - ان میں فرائض کو سب پر فوق ہے - خدا پر پورا بھروسہ کرنے سے افعال بلا خواہشات سرزد ہوتے ہیں - یہی ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان بطور پر عمل کرسکتا ہے - اگر اصدار افعال میں خواہش نفسانی نہ ہو تو وہ غیر موثر ہوں گے - اپنے آپ صادر ہونے والے افعال آیندہ کوئی مستقل نتیجہ پیدا نہ کریں گے - بے غرضانہ عامل ہونے سے انسان کو کچھ برائی بھلائی محسوس نہ ہوگی - کیونکہ دل ہی محسوسات اور معلومات کا مبدا ہے - بلا خواہش عمل کرنے سے انسان کو دو باتیں معلوم ہوں گی اول یہ کہ اُس کا دل مُردہ ہوگیا ہے - دوسرے یہ کہ اُس کے افعال سے نتائج مستخرج نہیں ہوتے - اور اُن سے آیندہ افعال ظہور پذیر نہ ہو کر اُن کا خاتمہ ہوگیا ہے - یوں افعال کے

مسدود ہونے سے اُس کی عالم مثال والی موہوم ہستی فنا ہو جائے گی اور وہ اپنے آپکو عالم برزخ کی اصلی اور سچی ہستی میں پائے گا۔ عالم برزخ کی حقیقت دریافت کرنی انسان کے علم و امکان سے باہر ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ یہی نا ممکن الادراک دنیا ملک خدا ہے جب انسان اس دنیا میں پہنچ جاتا ہے تو فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ اس سے انسان کا ظاہری جسم فنا نہیں ہوتا۔ کیونکہ عالم برحق ہے مگر جیسا ہم اُس کو اپنی خیالی ہستی میں مشاہدہ کرتے ہیں یہ غلط ہے۔ گو ہمارا جسم اور دنیا قائم رہیں تاہم ہم مغالطہ کے دام سے آزاد ہو کر اُن چیزوں کو کسی دوسری شکل میں دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ شکل صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے نہ بیان ہو سکتی ہے نہ قیاس و گمان میں آسکتی ہے۔

ارجن نے یہ تمام پند و موعظت سری کرشن کی زبان فیض ترجمان سے سنکر کہا "اے واقف اسرار غیب آپ کی عنایت سے میرا مغالطہ رفع ہو گیا اور عقل و ہوش درست ہو گئے"۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ان تعلیمات کے مطالعہ سے ہمارے ناظرین کا مغالطہ بھی دور ہو جائے گا۔

آمین

سوانح عمری

سِدّھارتھ گوتم بُدھ

ہرے بھرے درخت کے سایہ میں زمانے کی نامعلوم رفتار سے سریکرشن کی وفات کو ایک ہزار برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ نیرنگی زمانہ نے دنیا کا رنگ بدل دیا۔ نئی بساط بچھی نئے مُھرے جمے۔ اگلے طاقتور شاہی خاندانوں کا پتہ نہ رہا ملکوں سلطنتوں اور قوموں کا نام ونشان مٹ گیا۔ زمین و آسمان بدل گئے۔ پرانے شہروں کے آثار ونشانات تبدیل ہو کر نئی بستیاں بس گئیں۔ سرسبز اور زرخیز ممالک اُجڑ کر ویرانے بن گئے۔ دریاؤں کے دھارے اپنی جگہ سے میلوں کوسوں ہٹ کر بہنے لگے۔ کٹورے کی طرح جھلکتی ہوئیں لمبی چوڑی جھیلیں چشمۂ آفتاب کی مانند خشک ہو گئیں الغرض ہزار بارہ سو برس اُدھر جو ہند کا زمانہ سریکرشن نے ملاحظہ فرمایا تھا وہ اب نہ رہا تھا۔ نہ وہ فرزند باقی تھے جن کو انھوں نے اپنا مذہب تلقین کیا تھا۔

اسقدر تغیر تبدل پر بھی شکر کا مقام ہو کہ ہندوستان کی تہذیب و شائستگی پر زمانہ کا ظلم ہات نہ پہنچا تھا۔ علم و ہنر کی ترقی کے رستے مسدود نہ ہوئے تھے۔ گو گردش

گردش ایام بہت جلد جلد ہر چیز کا رنگ بدل رہی تھی مگر تربیت و شائستگی دولت و عظمت میں دن دونی رات چوگنی افزائش ہوتی گئی۔ البتہ سری کرشن کے اعلےٰ اُصول دینی قریب قریب فراموش ہو گئے تھے اور جو رستہ بہشت و نجات کا انھوں نے بتا دیا تھا اُس سے آوارہ ہو کر خلق خدا دشتِ گم شدگی میں پڑی پھرتی تھی۔

تاہم لوگ سری کرشن کو نہ بھولے تھے۔ اُنھیں خدا کا اوتار کہتے تھے۔ ہر گاؤں ہر قصبہ بلکہ ہر گھر میں اُن کی پرستش ہوتی تھی۔ ہاں اُن کی تعلیمات اور کارہائے نمایاں فراموش ہو گئے تھے اور روحانی خوشی حاصل کرنیکا طریقہ جسکو اُنھوں نے بڑی توضیح کیساتھ بیان فرمایا تھا یاد نہ رہا تھا۔ اسوقت لوگ اُنھیں خدا مان کر اُن کی پرستش کرتے تھے اور اُن کا یہ عقیدہ جم گیا تھا کہ صرف اِس قسم کی پرستش ہی ذریعہ مغفرت ہے۔

اتفاق سے جہاں کہیں یہ تعلیمات باقی رہ گئی تھیں وہاں اُنمیں بڑی غلط فہمیاں تھیں۔ افعال سے کم درجہ کی قربانیاں۔ پرستشیں جاترا وغیرہ سمجھی جاتی تھیں۔ علم سے وید مقدس۔ مذہبی نظم۔ الہیات وغیرہ کی واقفیت مراد لیجاتی تھی۔ اور عشق جو اُن سب پر فائق تھا ایک قلم متروک ہو گیا تھا

بنی نوع انسان پھر پریشان اور تباہ حال ہو گئے اور اُن کی حالت پھر ویسی ہی ہو گئی جیسی پہلے تھی۔ لذات روحانی پر آلام نفسانی نے شب خون

مارا۔ حصولِ نجاۃ و راحت دائمی کی خواہشیں پھر بڑھنے لگیں۔ حرمان نصیبی
اور محرومی طالع نے پھر گھیر لیا۔ اور کُل اعلیٰ اصول جو انسان کو ہمیشہ خرابی اور
بدبختی سے بچانیکا ذریعہ تھے زمانہ کے ہاتوں سے نیست و نابود ہو گئے۔

مگر قسام ازل کی رحمت بے پایاں ہے جسقدر اُس کا عالم موجودات
وسیع ہے اور جو اعلیٰ درجہ کی محبت اُسے انسان کے ساتھ ہے وہ اسکے وہم
خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ انسان۔ خدا اور اُسکے کلام کو بھول جاتا ہے مگر وہ
اُسے ہر وقت یاد رکھتا ہے لہذا دوسری دفعہ پھر نورالٰہی نے انسانی قالب
میں جلوہ گر ہوکر وہی اُصول دینی بالتشریح سمجھائے جو بیان تو پہلے بھی کئے
جا چکے تھے مگر اُنکا مطلب لوگ خاک نہ سمجھے تھے۔

یہہ اشرف اور نیک شخص جنکے پاک قالب میں اس مرتبہ نورالٰہی
جنّت النعیم سے آکر جلوہ گر ہوا "گوتم" تھے۔ یہہ دُنیا میں بُدھ کے لقب سے
نامور ہوئے کج فہمی سے اکثر لوگ خیال کرتے ہیں کہ "گوتم" نے ایک نئے مذہب
کے وعظ کہے جو سری کرشن کے مذہب سے بالکل مختلف تھا۔ مگر یہہ صرف
خیال ہی خیال ہے۔ اُنھوں نے جو کچھ کہا وہ سری کرشن کے اقوال کی تشریح
ہے۔ اور اُنکے وعظ سری کرشن کے بتائے ہوئے رستہ کیلئے جو جہالت اور مذہبی
تعصب کے سبب تاریک ہو رہا تھا روشن شمعیں ہیں۔

ایک اعلیٰ درجہ کا منصف مزاج مؤرخ لکھتا ہے کہ "گوتم کی ولادت

تربیت اموت زیست ہندوؤں جیسی ہوئی۔ اکثر اُن کے خاص مرید اور بودھ مذہب کے مشہور سرگروہ برہمن تھے۔ وہ اپنے ہاں کے سنتوں کو اعزازی خطاب "برہمن" کا دیتے تھے۔ گوتم کی تربیت و تعلیم بالکل برہمنوں کے مذہب کے موافق ہوئی تھی وہ اپنے آپ کو اُس پاک روح کا مظہر تصور کرتے تھے جو قدیم زمانہ کے ایمان کی تعلیم سے تمیز کی گئی تھی اور صرف اُنھیں کی نسبت دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہندوؤں میں نہایت اعلیٰ نہایت فہیم اور نہایت برتر تھے اور اُنکا مذہب ہندو مذہب کا مُرغ دست پرور تھا۔

مذکورہ بالا ایک نامی گرامی اجنبی مصنف کے الفاظ ہیں جسنے گوتم بودھ کی سوانح عمری اور تعلیمات کو عمر بھر پڑھا تھا۔ نیز ذیل کے مختصر تذکرہ اور تعلیمات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً پانسو برس پہلے بدھ مہاراج نے شہر کپل وستو میں ظہور فرمایا۔ یہ شہر دریائے رومنی کے کنارے بنارس سے سو میل کے فاصلہ پر گوشۂ شمال و مشرق میں واقع تھا۔ یہاں سے بہت دور پر کوہ ہمالیہ کا برفیلا سلسلہ صاف طور سے نظر آتا تھا جسکی اونچی اونچی سفید چوٹیاں آسمان سے لگی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اور قرب و جوار کی پہاڑیوں سے چھوٹی چھوٹی سیکڑوں ندیاں نکل کر مختلف سمتوں میں بہتی تھیں۔

کپل وستو ایک چھوٹی سی سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔ یہاں

گوتم خاندان کی حکومت تھی۔ جس وقت کا ہم بیان کرتے ہیں اُسوقت شُدہادن گوتم قوم شاکیہ پر حکمرانی کر رہا تھا۔ اس بادشاہ کے دو حرم تھے مگر دونوں بیویوں سے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ تقریباً پینتالیس ۴۵ برس کے سن میں بڑی ملکہ حاملہ ہوئی بادشاہ نے خوب خوشیاں منائیں دل کھول کر زر و جواہر لُٹائے۔ بار دار ملکہ رواج مُلک کیموافق وضع حمل کیلئے اپنے ماں باپ کے ہاں بھیجدی گئی۔ مگر اثنائے راہ میں چند بلند درختوں کے تلے یکایک بچہ پیدا ہو گیا۔ اور ملکہ کو بچہ سمیت کپل وستو واپس آنا پڑا۔ افسوس اس بچہ کو ایک ہی ہفتہ میں ماں کی آغوش شفقت سے اجل نے محروم کر دیا۔ سوتیلی ماں نے بڑی خبرگیری کیساتھ اپنی اولاد بنا کر پالا۔

سدّھارتھ اُسکا نام رکھا اور خاندان گوتم کے اعلےٰ شہزادوں کیطرح اسکی پرورش اور تعلیم و تربیت ہونے لگی۔ ہمیں گوتم کی اوائل عمری کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے چند آدمیوں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ شہزادہ ہمیشہ محلسرا کی چار دیواری میں پڑا ہوا عیش و نشاط میں مشغول رہتا ہے اور مردانہ ورزشوں سے جو شہزادگی کے زمانہ کے شایاں ہیں جی چُراتا ہے۔ جب یہ خبر شہزادے نے سُنی تو نیزہ بازی کے میدان میں فنون سپہ گری کے ایسے کرتب دکھائے کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے اور مدعی لعینوں کے جی چھوٹ گئے۔

اُنتیس ۲۹ برس کی عمر تک گوتم کے حالات معلوم نہیں۔ اسکے بعد اُنھوں نے تحصیل دینیات اور فلسفہ کیلئے وطن ترک کیا کہتے ہیں ایک معمولی

واقعہ نے اُنکی زندگی کا رُخ زہد و عزلت نشینی کیطرف پھیر دیا۔

ایک دن وہ اپنے خادم چین کو ساتھ لیکر سیر کو اُٹھے کہ دیکھیں دُنیا کے کیا رنگ ڈھنگ ہیں۔ پہلے ایک فرسودہ حال بڈھا ملا۔ پھر ایک ناتوان بیمار کو دیکھا کہ ضعف کے مارے قدم قدم پر ٹھکیاں لیتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ آگے چلکر دیکھا کہ لوگ ایک جنازہ کو لئے جاتے ہیں۔ اسکے بعد ایک فقیر صاحب باطن سے ملاقات ہوئی بڑھاپے۔ بیماری۔ اور موت کی حالتوں نے اُن کے دل پر بڑا اثر ڈالا۔ فوراً دل میں خیال پیدا ہوا کہ ایک دن مجھے بھی انہیں دُشمنوں کے پنجہ میں پھنسنا ہوگا اب اُنھیں معلوم ہوتے لگا کہ عالم کی بے ثباتی اور دُنیا کی ناپائداری سچ ہے انسان کی زندگی باوجود راحت و آرام کے مرض موت اور پیرانہ سالی کا شکار ہوتی ہے۔ ادھر بڑھاپے نے صورۃ دکھائی اُدھر امراض نے ہاتھ پاؤں کمزور کر کے اپنا سکہ بٹھا دیا۔ سامان راحت موجب صد زحمت ہوگیا۔ اور شمع حیاۃ جھلملانے لگی اسکے ساتھ ہی اُنھوں نے درویش کے چہرے سے جلال اور اطمینان خاطر کے آثار نمودار ہوتے ہوئے دیکھے تو سوچنے لگے کہ اگر میں اسی طرح دُنیا کے سب جھگڑے چھوڑ چھاڑ کر یاد خدا میں مشغول ہو جاؤں تو مجھے بھی رنج و تکلیف سے نجاۃ ملجائے۔ غرض انھیں خیالات میں غلطاں پیچاں وہ گھر کو واپس آئے۔

گوتم کی شادی ہو چکی تھی۔ اُن کی بیوی جسودہارا سے ایک صاحب جمال لڑکا بھی پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام رہل رکھا تھا۔ بادی النظر میں گوتم کے فوراً

گھر سے نکل جانے کا یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ اُنھیں خیال ہوا کہ کچھ دنوں بعد نئے تعلقات کا توڑنا سخت دشوار ہوگا۔

آدھی رات کو اُنھوں نے اپنے خادم چین سے گھوڑا مانگا جب چین تعمیل حکم کے لئے جا چکا تو وہ اپنی پیاری بیوی کے کمرے کے پاس گئے اور دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہوکر جھلملاتی ہوئی شمع کی روشنی میں دیکھا کہ وہ بچہ کے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے خواب ناز میں ہیں پہلے دل میں آیا کہ بچہ کو گود میں اُٹھا کر پیار کریں۔ پھر سوچے کہ مبادا اسکی ماں جاگ اُٹھے تو غضب ہی ہو جائیگا اسی وجہ سے اپنی بیوی کے جگانیکی بھی جرأت نہ کی اپنے باپ کا گھر بھرا پرا اور شہزادگی کے عیش وتنعم کو چھوڑ کر نوجوان بیوی اور اکلوتی بچہ کی طرف سے مونھ موڑا سب کو خیرباد کہا اور چین کو ساتھ لیکر چل کھڑے ہوئے۔

چلتے چلتے بہت دُور نکل گئے اور رستہ میں کہیں نہ ٹھیرے۔ دریائے اَیوما پر پہنچکر اپنے بیش بہا زیور اور جواہر چین کے سُپرد کئے اور کہا کہ اِن کو لے کر کپل وستو کو پلٹ جاؤ۔ چین نے ساتھ چلنے اور زاہدوں کیطرح رفاقت میں رہنے کی التجا کی مگر قبول نہ ہوئی۔ گوتم نے کہا تم جا کر میرے والد سے کل ماجرا بیان نہ کروگے تو اُنھیں میرا حال کیونکر معلوم ہوگا۔ غرض اُسے نہایت مہربانی اور شفقت کیساتھ رخصت کیا دریا اُتر کر بھدّرا کرایا اور ایک غریب آدمی سے لباس بدل کر زہد وفقر اختیار کرنے کیلئے راجگری کی طرف چلدئے۔

راجگری مگدھ کی سلطنت کا پایہ تخت تھا اور ایک دلکشا وادی

میں پانچ پہاڑیوں کے درمیان واقع تھا ان پہاڑیوں کے غاروں میں چند مشہور درویش گوشہ نشین تھے گوتم ان کے پاس گئے اور ایک "التر" نامی درویش کے مرید ہو گئے۔ مگر جب اس بزرگوار کی طریقت سے تسکین نہوئی تو ایک اور عابد اُدرک نامی سے رجوع کی اور ان دونوں فقرائے باکمال سے ہندو مذہب اور اہل ہند کا فلسفہ از اوّل تا آخر سیکھا۔

اِس کے بعد اُنھوں نے جوگ کی ریاضتوں کی آزمائش کا قصد کیا اور اُزوِیل کے جنگل میں جو آجکل بُدھ گیا کے نام سے مشہور ہی چھ سال تک دردناک ریاضتیں اور سخت مشقتیں اُٹھائیں نفس کشی کرتے کرتے جسم تحلیل ہو کر کانٹا ہو گیا۔ مگر جس بات کی تمنّا تھی وہ ان ذریعوں سے حاصل نہوئی جہانتک خیال دوڑایا اپنے آپ کو محرومی و پژمردگی کا صید پایا۔ منازل فقر میں ابھی خوشی اور اطمینان خاطر کا شہر اتنا ہی دور تھا جتنا کپل وستو کے ایام شہزادگی میں۔ ہاں سخت عبادتوں اور ریاضتوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ شہرت نے نزدیک و دُور سے کھینچکر چند مریدُنکے گرد جمع کر دیئے ایکدن وہ چہل قدمی کرتے تھے ٹہلتے ٹہلتے یکایک پاؤں لڑکھڑایا اور زمین پر گر پڑے بعض عقیدتمندوں نے خیال کیا کہ مہاراج کو محبوب الٰہی کا وصال حاصل ہوا۔ اور انھوں نے دم توڑ دیا مگر صرف ضعف کا اثر تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ بھلے چنگے ہو گئے اُنھوں نے جب اِن سخت قیود سے آیندہ کوئی نفع کی امید نپائی تو نفس کشی ترک کر دی

اِس تلون مزاجی سے مریدوں کو بڑا تعجّب ہوا۔ اور معتقد پیروؤں نے خیال

کیا کہ ہمارے پیشوا نے جادۂ صدق وصفا سے منہہ موڑا۔ اسلیئے وہ سب گوتم کو چھوڑ بنارس چلے گیے۔

گوتم بن کی جھاڑیوں میں ٹپرے پھرتے تھے مگر انکو ہر ہر قدم پر سخت محرومی کا سامنا تھا۔ ویداور شاستروں کا مطالعہ کر چکے۔ جوگ کی دشوار اور سخت ریاضتیں اُٹھا چکے۔ حصول کامیابی کیلیئے ہر معلوم طریقہ سے کوششیں کر چکے مگر افسوس جس دلی راحت کی اُنہیں آرزو تھی وہ حاصل نہوئی۔ نہ زاہدوں اور خانقاہ کے درویشوں سے مطلب نکلا۔ نہ حکما اور فلاسفہ سے کچھ مدد ملی۔ اس سچی راحت کا وجود ضرور تھا مگر کوئی اُسکا پتہ نہ دے سکا۔

اس وقت گوتم کے دل کی عجب حالت تھی دُنیا کی کوئی چیز بھلی نہ لگتی تھی کبھی فکر کے دریا میں غوطے لگاتے کبھی مراقبہ کے بحر ذخار میں ڈوب جاتے کبھی طبیعت کی بے اطمینانی چین نہ لینے دیتی۔ کبھی دل کی گھبراہٹ جنگل کیطرف کھینچ لیجاتی کبھی بھوک ستاتی۔ کبھی کم ہمتی دل کو صدمہ پہنچاتی۔ غرض ان پیچ در پیچ خیالات نے دل میں ایک سخت اُلجھن ڈال رکھی تھی۔ وہ نہیں جان سکتے تھے کہ کہاں جائیں اور کیا کریں۔ نہ اس بات کا فیصلہ کر سکتے تھے کہ آیا سلطنت کو واپس جاکر پیاری بیوی اور بچہ سے ملیں۔ یا طوفانی بحر کی بے پتوار کشتی کیطرح اسی ڈانواں ڈول حالتمیں دُنیا میں آوارہ سرگردان پھرتے رہیں

وہ اسی ادھیڑبن میں تھے کہ یکایک ایک ناکتخدا دہقانی لڑکی کی انپر نظر پڑی۔ وہ چتونوں سے تاڑ گئی کہ فقیر شکستہ خاطر اور آزردہ دل ہے۔ دلمیں خلقی شفقت

وہ بہ بانی کا دریا موجزن ہوا اور اس نے گوتم کے پاس جاکر نہایت شیریں اور پیاری آواز میں دریافت کیا "مہاراج کیا آپ بھوکے ہیں؟ کیا میرے ہاتھ سے ماحضر قبول فرمائیں گے؟" گوتم نے سر اٹھا کر تھوڑی دیر تک لڑکی کو غور سے دیکھا پھر پوچھا "بہن تمھارا نام کیا ہے؟" لڑکی نے جواب دیا "مہاراج مجھے سوجاتا کہتے ہیں" گوتم نے کہا "میں بہت بھوکا ہوں۔ بھوک کی شدت سے بیتاب ہوں۔ اچھی بہن کیا تم میری بھوک کو تسکین دے سکتی ہو؟"

دہقان کی معصوم لڑکی تاک نہ سمجھی کہ بھوک سے گوتم کا کیا مطلب ہے۔ اور ان کے دماغ میں کیا کیا خیالات بھرے ہیں۔ اس نے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لاکر ان کے آگے دھر دیں اور انھیں تناول کرنے کی التجا کی۔ گوتم نے مسکرا کر کہا "میری مہربان سوجاتا کیا ان سے میری بھوک کو تسکین ہوگی؟" لڑکی نے جواب دیا "جی ہاں ان سے آپ کی بھوک رفع ہوجائیگی۔"

گوتم ایک درخت کے سایہ میں بیٹھکر کھانا کھانے لگے۔ اور یہ درخت اس روز سے درخت دانش کے نام سے مشہور ہوا۔

سوجاتا چلی گئی مگر یہ دن بھر اسی درخت کے نیچے بیٹھے رہے۔ ہم یہ بیان کرنے کی جرأت نہیں کریں گے کہ اس وقت وہ کن خیالات میں محو تھے۔ مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ صبح سویرے سے دن چھپے تک وہ اپنے خیالات میں مستغرق رہے جب دن ڈھلا اور دونوں وقت ملے تو واقعی ان کی بھوک رفع ہوگئی۔ دنیوی تکلیف

کا عقدہ حل ہوگیا۔ اسرار مخفی سمجھ میں آگئے اور بہشت کا رستہ معلوم ہوگیا۔ انھیں علم لدنی حاصل ہوگیا اور بُدھ کا درجہ مل گیا۔

جو نور شہزادہ دوارکا کے قالب میں جلوہ گر ہوکر ایک بلند درخت کے سایہ میں پردہ عدم میں پنہاں ہوگیا تھا۔ ایک ہزار سال بعد وہی نور اُسی بلند درخت کے نیچے گوتم بُدھ کے جسم میں جلوہ گر ہوا۔

گوتم حالت انبساط میں وجد کرتے ہوئے درخت کے نیچے سے اُٹھے اور راجگری کی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ اُن کے دونوں پُرانے اُستاد انتقال کرگئے۔ وہاں سے وہ سیدھے بنارس کی طرف چلے۔ بیچ اثنا راہ میں اُنکے پُرانے دوست اُپک ملے اور یوں گفتگو ہوئی۔

اُپک۔ آہا۔ یار تم تو اچھے خاصے ہٹے کٹے ہوگئے۔ میں دیکھتا ہوں تمھاری صورت کچھ عجیب دلفریب ہوگئی ہے اور بشرے سے تم بہت مطمئن اور شاش بشاش معلوم ہوتے ہیں۔ وہ کونسی مذہبی طریقت ہے جو تمھاری اس قدر خوشی اور آسودگی کا باعث ہوئی ہے۔؟

گوتم۔ ہاں تم سچ کہتے ہو میں دنیا کی تمام اخلاقی اور روحانی طاقتوں پر قادر ہوگیا ہوں۔ نفس امارہ کی خواہشوں پر غالب آگیا ہوں۔ اور مجھے دائمی اور ابدی راحت کے حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہوگیا ہے۔

اُپک۔ اب تم کہاں جاتے ہو؟

گوتم ۔ بنارس ۔

اپُک ۔ کس غرض سے ؟ ۔

گوتم نے اس کا جواب مشہور اشعار ذیل میں دیا ۔

یہ آرزو دل میں بس رہی ہے کہ رازِ پنہاں جتا جتا کر — حقائقِ معرفت کی راہیں ہر اک بشر کو دکھائینگے ہم
یہی ارادہ یہی ہے مقصد یہی ہے منشا یہی ہے مطلب — اسی ضرورت اسی غرض سے فقط بنارس کو جائینگے ہم
بہت ہیں دینی اصول ایسے پڑی ہے ظلمت کی جن پہ چادر — انھیں خدا کی عنایتوں سے اب آئینہ کر دکھائینگے ہم
فنا کرینگے غمِ فنا کو چکھائیں گے لذتِ بقا کو — جہانِ فانی کے رہنے والوں کو جاودانی بنائینگے ہم

یہ لن ترانیاں سُنکر اُپک سے رہا نہ گیا تو اُس نے بات کاٹ کر کہا " حضرت بس اب اپنی سواری بڑھائیے آپ کا وہ رستہ ہے اور بندہ کا یہ ۔ اور وہ یہ کہکر دوسری طرف کو چلتا ہوا ۔

مگر اس دل شکن فقرے سے ہمارے نئے رہنما کو ذرا بھی ہراس نہ ہوا ۔ وہ بیدھڑک یہاں سے بنارس کو روانہ ہوئے اور چند روز بعد شام کی گلگوں شفق کی دھیمی دھیمی روشنی میں ہرن بن میں جا پہنچے ۔ یہ بن شہر بنارس سے جانب شمال واقع تھا ۔ یہاں گوتم کے پرانے مریدوں میں سے پانچ مرید رہتے تھے ۔ مگر جس روز سے گوتم نے نفس کشی ترک کر دی تھی وہ اُنھیں ایک ملحد سے بہتر نہ جانتے تھے ۔ اور اپنا مرشد نہ کہتے تھے ۔ اس لئے اُنھوں نے گوتم کی آؤ بھگت ذرا نہ کی صرف ایک بوریا بیٹھنے کو ڈالدیا اور اُنکا نام لے کے اُن کی طرف خطاب کیا ۔ گوتم نے کہا " مجھے طریق نجاۃ معلوم ہو گیا ہے ۔

میں بدھ ہو گیا ہوں۔ تمھیں بھی انسانی زندگی کی تکالیف و مصائب سے بچنے کی ترکیبیں بتا سکتا ہوں۔ غرض مریدوں سے دیر تک مباحثہ اور مناظرہ ہوتا رہا۔ اور انھوں نے طرح طرح کی ترغیبوں سے اُن کو اپنے مذہب میں لانے کی کوشش کی۔ بالآخر سعی مشکور ہوئی۔ پہلے پہل مسٹر "کندینا" ایمان لایا ازاں بعد اوروں نے بھی اُن کا طریق نجاۃ قبول کیا۔

کچھ عرصہ تک گوتم ہرن بن میں مقیم رہے۔ جو لوگ اُن کے پاس جاتے انھیں جدید مسائل دینی یکساں تلقین کرتے اور اِس فیض رسانی میں مرد۔ عورت۔ امیر۔ غریب عالم۔ جاہل۔ کسی کی تفریق نہ تھی۔ اول اول دنیا دار لوگ ان کے مرید ہوئے جن میں دو عورتیں بھی تھیں۔ اِن نئے مریدوں میں سب سے پہلا چیلا "یاس" نامی ایک امیر کبیر نوجوان تھا جس کے ساتھ اس کے ہمراہیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت بھی تھی۔ اِس کے بعد یاس کے ماں باپ اور اُس کی بیوی یہ سب بھی بودھ مذہب میں داخل ہو گئے۔ مگر یہ دنیا دار مریدوں کی طرح رہے۔

درخت دانش کے نیچے بیٹھنے سے پانچ اور ہرن بن پہنچنے سے تین مہینے بعد گوتم نے اپنے تمام مریدوں کو جن کی تعداد ساٹھ تک پہنچ چکی تھی جمع کیا اور اُن کو وعظ و تلقین اور اشاعت خوشخبری کے لئے مختلف سمتوں میں روانہ کیا۔ فقط یاس اپنے والدین کے پاس بنارس میں رہ گیا اور گوتم بھی مریدوں کی رسالت کا نتیجہ دیکھنے کے لئے یہیں منتظر بیٹھے رہے۔

اُرُوِل کے جنگل میں تین بھائی رہتے تھے۔ یہ مشہور گوشہ نشین اور نامی فلسفی تھے اُنکی عام شہرت کی وجہ سے طالب علموں کا ایک انبوہ کثیر اُن کے گرد جمع ہوگیا تھا۔ اور بادشاہ و عمائد اُن کی بڑی عزت و حرمت کرتے تھے۔ گوتم بھی اُن کے پاس جاکر رہے۔ یہاں رہتے ہوئے اُنھیں تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ اُن میں سے ایک نے اُن کا مذہب اختیار کرلیا اور بھائیوں اور پیرووں نے بھی بہت جلد اُس کی تقلید کی۔ اِس عظیم واقعہ سے ملک میں بڑا جوش و خروش پیدا ہوگیا۔ دور دور سے لوگ جوق جوق آکر جمع ہوگئے کہ دیکھیں یہ وہ کس پایہ کے آدمی ہیں اور طریق نجاۃ کی بابت اُن کی کیا رائے ہے۔ اب وہ عام طور سے اپنے مذہب پر وعظ دینے لگے اور دن بدن پیرووں کی تعداد بڑھتی گئی۔

گوتم اپنے مریدوں کو لئے کر اُرُوِل سے چلے اور مگدھ کی دارالسلطنت راجگڑھی میں آئے۔ شاہ بمبا سر نے آکر اُن کے اور اُن کے پیرووں کے قدم لئے۔ یہاں اُنھوں نے بہشت پر ایک وعظ کہا اور دکھایا کہ جنت کا دروازہ طہارۃ اور منزل مقصود عشق ہے۔ شاہ مذکور فوراً اس جدید طریقہ کا مقلد ہوگیا اور بہتوں نے اُس کی پیروی کی۔ دوسرے دن جب گوتم قصر شاہی اور شہر کی سیر کو تشریف لے گئے تو بیشمار آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ اُنکے گرد لگ گئے اور سب نے اُن کے اُصول دینی اختیار کرنے کی صدق دل سے تمنا ظاہر کی۔ بادشاہ بڑے اعزاز و اکرام سے پیش آیا اور قصبہ کے قریب "ویلون" کی جھاڑی اُن کے رہنے کے واسطے تجویز کردی۔ یہ مقام اس لئے مشہور ہے کہ گوتم یہاں

کئی برسات کے موسموں میں مقیم رہے تھے اور بہت سے مضامین پر مباحثے ہوئے تھے۔
لیکن یہ مذہبی جوشش فوری تھا جس قدر سرگرمی کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا تھا ویسا ہی جلد فرو ہوگیا جب گوتم کے مرید بھیک مانگنے جاتے تو اُن پر گالیوں کی بوچھار ہوتی اور لوگ اُن کا مضحکہ اُڑاتے۔ وہ بیچارے بدنامی کے دھبے دامنوں پر لے کر واپس آتے اور جو کچھ بے اعتنائیاں اُن کے ساتھ کی جاتیں اُنھیں خاموشی سے برداشت کرتے کیونکہ کچھ چارہ نہ تھا۔
اسی عرصہ میں گوتم کے پاس اُن کے والد بزرگوار نے ایک مراسلہ بھیجا اور لکھا کہ اپنے شہر کو آؤ اور میرے آخری وقت میں ایک مرتبہ مجھے اپنی صورت دکھا جاؤ۔ گوتم یہ پیام طلب قبول کرکے کپل وستو کی جانب روانہ ہوئے۔
وہ یہاں پہنچکر شہر کے باہر ایک جھاڑی میں ٹھہرے۔ اُن کے والد بزرگوار جمیع عزیز و اقارب کو ساتھ لے کر اُن سے ملنے آئے۔ مگر اُن کے زہد و طریق مذہب سے خوش نہوئے۔ اس لئے اُن کی جماعت کے کھانے پینے کا بھی کچھ بندوبست نہ کیا اور واپس چلے گئے۔ دوسرے دن گوتم نے شہر میں گھر گھر بھیک مانگنی شروع کردی بادشاہ نے یہ حال سُنا تو اُسے سخت ملال ہوا۔ فوراً گوتم کے پاس گیا کہ اُنھیں اس حرکت سے منع کرے۔ اس وقت گوتم نے اپنے باپ کے روبرو اپنے دینی اصول ظاہر کئے۔ مگر اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ جھول اُنکے ہاتھ سے لے لی اور اپنے ہمراہ قصر شاہی کو لیگیا۔
گوتم محل میں داخل ہوئے تو سب نے اُن کی تواضع و تکریم کی۔ مگر اُن کی بیوی

اُن کے پاس نہ آئی۔ اُس نے کہا اگر اُن کی نظروں میں کچھ بھی میری وقعت ہے وہ خود ہی میرے پاس آئیں گے اُسی روز سے اُس نے اپنے خاوند کو مردہ سمجھکر سب عیش و آرام ترک کر دیا۔ دن بھر میں صرف ایک دفعہ معمولی کھانا کھانا اور چٹائی پر سونا اختیار کیا گوتم شہر میں آتے ہی یہ حال سُن چکے تھے۔ گو بدھ مذہب کا کوئی پیرو عورت کا چھونا اور اپنا جسم عورت کو چھونے دینا روا نہ رکھتا تھا تاہم وہ دو مریدوں کو ساتھ لیکر اپنی بیوی کے پاس گئے۔ گوتم کی بیوی نے جب انھیں زاہدانہ لباس میں اپنے پاس کھڑا ہوا دیکھا۔ وہ بے اختیار اُن کے قدموں پر گر پڑی اور زار زار رونے لگی لہذا گوتم نے فرقۂ اناث کے لئے ایک گروہ اپنے مذہب میں قائم کیا اور اُن کی بیوی جو دھارا طریقت کے حلقہ میں آکر بودھ مذہب کی سب سے پہلی گوشہ نشین بیراگن ہوئی۔

پندرہ روز تک وہ کپل وستو کے قریب ایک جھاڑی میں مقیم رہے اور اپنے احبا و اقربا کی دعوتوں میں شریک ہوتے رہے۔ ایک دن گوتم کی بیوی نے اپنے بیٹے رہل کو عمدہ کپڑے پہنا کر جب گوتم محل کے قریب سے گزر رہے تھے دریچہ سے اُسے دکھا کر کہا۔ دیکھو وہ تمھارے باپ جاتے ہیں۔ اُن کے پاس جاکر اپنے حقوق مانگو کہ میں آپ کا فرزند ہوں اپنی میراث چاہتا ہوں۔ رہل گیا اور اپنا ورثہ مانگنے لگا اسوقت گوتم کھانا کھانے میں مشغول تھے کچھ جواب نہ دیا۔ لڑکا بار بار اپنا ورثہ مانگے جاتا تھا مگر وہ چپ چاپ کھانا کھا کر اپنے قیام گاہ کو جھاڑی کی طرف چل دئے رہل بھی پیچھے پیچھے اپنا ورثہ مانگتا ہوا چلا گیا۔ گوتم نے جھاڑی میں پہنچکر ایک مرید سے کہا بھائی

میں اِس لڑکے کو وہ نعمت غیر مترقبہ جو مجھے درخت دانش کے نیچے ملی ہے دیتا ہوں تم اِس کو اُس دولت عظمیٰ کا والی اور وارث بناؤ۔ اِس اشارہ کے بموجب راہل گروہ میں داخل کر لیا گیا۔ مگر بوڑھا بادشاہ یہ حال سنکر نہایت مغموم ہوا کیونکہ بیٹے کی طرح سے پوتا بھی اُس کے ہات سے جاتا رہا۔

اب گوتم نے راجگڑہی کی جانب پلٹنے کا قصد کیا۔ مگر چند روز ایک دریا کے کنارہ پر ٹھہر کر اپنے عزیز خادم چین کو رخصت کیا۔ بہت سے رشتہ دار اور اہل وطن اُن کے گروہ میں شامل ہوگئے تھے۔ اُن میں سے ہم یہاں چار شخصوں کا تخصیص کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ آنند اور دیودت اِن کے رشتہ کے بھائی تھے۔ آپالی قوم کا نائی اور انرودھ اُن کا ہموطن تھا۔ انند تمام عمر اُنکا ہمدم و ہمساز رہا۔ دیودت اُنکا رقیب اور مقابل ہوگیا۔ آپالی حجام اُن کے گروہ کا بڑا نامور پیشوا ہوا۔ اور انرودھ بودھ مذہب کی حکمت نظری کا عالم ہوا۔ موسم برسات ختم ہونے پر گوتم راجگڑہی سے چلکر سلطنت کوسل کے پایہ تخت سراوستی کو گئے۔ یہاں ایک متمول سوداگر نے اُنکی بود و باش کے لئے ایک وسیع اور پرفضا جنگل اُن کے نامزد کر دیا۔ یہ مقام بعد کو اِس لئے مشہور ہوا کہ چند برسات کے موسموں میں گوتم وہاں مقیم رہے تھے۔ اور زمان قیام میں وہاں بڑے بڑے مکالمے اور مباحثے ہوئے تھے۔

یہاں اُن کی رسالت کا تیسرا سال ختم ہوا۔ چوتھے سال سے چالیسویں برس تک ہم کو اُن کے اشغال بہت کم معلوم ہیں۔ غالباً اُنھوں نے یہ زمانہ اپنے مذہب کی

اشاعت [illegible] صرف کیا ہوگا۔ انھوں نے اپنے گروہ کیلئے قواعد منضبط کئے اپنے فلسفہ کی پختگی اور مضبوطی کی اپنے دنیادار مریدوں کو طہارۃ کی ہدایت دی اور دیگر مضامین مذہبی پر وعظ دیتے رہے۔

اِن چوالیس برس کے سوانح جو تھوڑے بہت ہمکو معلوم ہیں وہ متفرق حالات ہیں اور نہایت پیچیدگی کیساتھ تمثیلی طور پر راز مخفی کیطرح بے سلسلہ بیان کئے گئے ہیں۔

لہذا ہم چھٹے سال سے بیس برس تک کے حالات ایک مشہور کتاب سے لیکر مختصر طور پر ذیل میں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

چوتھے برس گوتم مہابن میں مقیم رہے اور ایک نٹ کو اپنے گروہ میں داخل کیا

پانچویں برس وہ اپنے باپ سے آخری ملاقات کرنے کپل وستو گئے۔ اُنکے بوڑھے باپ۔ فی قضائی وہ اُنکی نعش جلاکر مہابن کو واپس آئے۔ اُنکی سوتیلی ماں اور بیوی مع چند اور بیبیوں کو اُنکے ساتھ آئیں۔ اِن بی بیوں نے گروہ میں داخل ہونیکی التجا کی مگر وہ اِس امر پر رضامند نہوے۔ آخر کار اننَد کی وکالتانہ سفارش پر اُنکا داخلہ منظور کیا۔ اور کنارہ پسش ہوکر الہ آباد کے قریب ایک پہاڑی پر چلے گئے۔

چھٹے برس گوتم راجگڑی میں واپس آئے اور بمباسر کی رانی چھما کو اپنے گروہ میں داخل کیا۔ اُنکے ایک مرید نے معجزہ دکھایا مگر اُنھوں نے معجزہ نمائی کی سخت ممانعت کی اور کہا کہ معجزوں کو مذہب سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

ساتویں برس ایک دشمن نے ایک عورت کو جس کا نام چنچا تھا اِس
بات پر آمادہ کیا کہ وہ گوتم کو زناکاری کا اتہام لگائے مگر اُسکا فریب بہت جلد ظاہر ہو گیا۔

آٹھویں برس۔ گوتم کپل وستو کے قریب ایک پہاڑی پر ہو کر گزرے اور
چند نئے آدمیونکو اپنے مذہب میں شامل کر کے کُسمبی کو واپس گئے۔

نویں برس۔ بودھ مذہب کی جماعتوں میں شر و فساد کا ہنگامہ برپا ہوا
گوتم نے امن و آسائش پھیلانیکی بہت کوشش کی مگر جب یہ عقدہ ناخن تدبیر سے نہ کھلا تو
اُنھوں نے تنگ آکر اپنے مریدونکو چھوڑ دیا اور خود تنہا پارلیاک کے جنگل کو چلے گئے۔

دسویں برس قرب و جوار کے دہقانوں نے اُن کیلئے ایک جھونپڑا تیار
کیا جسمیں اُنھوں نے برسات کاٹی۔ یہاں بودھ مذہب کے سرکش زاہدوں نے اُنہیں ڈھونڈ
نکالا اور اپنے گناہونکی معافی چاہی۔ گوتم نے گناہ معاف کئے اور اُنسے اچھی طرح پیش آئے۔ اسکے
بعد وہ اپنے تائب مریدوں کو لیکر سراوستی ہوتے ہوئے راجگڑہی پہنچے۔

گیارھویں برس۔ گوتم نے چند اور نامی شخص مرید کئے اور مگدھ و کوسل
کے ملکوں میں وقت گزارا۔

بارھویں برس۔ گوتم نے بڑا لمبا سفر کیا اور منتل تک جا کر بنارس
ہو کر پلٹے۔ اس سفر عظیم میں جن جن مقامات میں اُنکا گزر ہوا وہاں اُنہوں نے وعظ کیے

تیرھواں برس۔ مقام چلیا اور سراوستی میں مذہبی وعظ و تلقین میں صرف کیا۔

چودھویں برس۔ گوتم سراوستی میں رہے اور اپنے فرزند راہل کو وعظ سنا کر

کپل وستو کیجانب روانہ ہوئے۔

پندرہویں برس کپل وستو کے باہر ایک جنگل میں قیام کیا۔ اپنے چچا زاد بھائی مہانام کو جو اُن کے باپ کی جگہہ تخت نشین ہوا تھا ایک مذہبی وعظ سُنایا۔ اسکے علاوہ ایک اور وعظ کہا جسمیں دکھایا کہ راستبازی کو خیرات پر فضیلت ہے

سولہواں برس۔ مقام الادی میں گزرا۔

سترہویں برس۔ وہ راجگڑہی کو گئے اور وہیں برسات کا موسم گزارا۔ ایک خانگی کسبی سریمتی کی میت میں وعظ دیا۔ اب سے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب تک بھوکے آدمی کو کھانا نہ کھلا لیتے اُسے وعظ نہ سُناتے۔

اٹھارہویں برس چلیا میں جاکر ایک جولاہے کو جسکی لڑکی اتفاقیہ مرگئی تھی پند و نصیحت کی اور برسات گزار کر راجگڑہی کو واپس آئے۔

انیسویں برس۔ گوتم نے مگدہ کے رستہ سے سفر کیا اور سب گاؤں میں وعظ کہا ایک مرتبہ ایک ہرن کو پھندے میں پھنسا ہوا دیکھکر اُسکے پاس گئے اور اُسکے آگے دوب چرنے کو ڈالی۔ شکاری بگڑا اور اُن کے مار ڈالنے کے درپے ہوا۔ مگر گوتم نے اُسے اپنا وعظ سُنایا تو وہ مع اپنے خاندان کے اُنکا مرید ہو گیا

بیسواں برس۔ دیہات و قصبات میں مذہبی وعظ و تعلیم میں گزرا چلیا کے جنگل میں وہ ایک نامی رہزن "انگولی مل" کو اپنے لطف و عنایت کے برتاؤ سے رہ راست پر لائے اور بودہ مذہب کا زاہد ہو جانے کی رغبت دلائی۔

بُدھ کا درجہ حاصل ہوجانیکے بعد اکیسویں برس ۔۔۔۔ [illegible]
پہلے گوتم کی رسالت کے حالات بالکل معلوم نہیں ہیں شاید اسکا سبب [illegible]
ایک سال کے حالات دوسرے سال کے سوانح سے بالکل مطابق ہیں [illegible]
تذکرہ نویسوں نے اُنکا لکھنا مناسب نہ سمجھکر قلم انداز کردیا ہے۔

گوتم۔ عورتوں کی بہت عزت و تکریم کرتے تھے۔ چند روائتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستورات نے اس نئے مذہب کیلئے اپنا جان و مال سب وقف کردیا۔ اس نامور فرقہ اناث میں سراوستی کی رہنے والی ایک عورت بُشاکا [illegible] نامی کے ساتھ شہرت حاصل کی۔ اسنے ایک سایہ دار کنج اہل مذہب کے نذر کی اور اُنکی بود و باش کیلئے قصبہ سراوستی کے مشرقی جانب ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔

رذیل اور فاحشہ عورتوں کی بھی گوتم کی نظر میں ویسی ہی وقعت تھی جیسی شریف اور نیک چلن والیوں کی۔ وہ اکثر ذی رُتبہ اور طاقتور عمائد کی دعوت ترک کر عام بازاری عورتوں اور خانگی کسبیوں کی دعوتیں قبول کرلیتے تھے اُمبا پلی۔ کپل وستو اور چند اور مقامات میں وہ کسبیوں کے ہاں مدعو ہوئے تو شرفا میں بڑی چرچہ ہوئی اور اُنہیں یہ امر سخت ناگوار ہوا۔ راجگرہی میں ایک خانگی کسبی سرمتی کی میت میں جاکر اُنہوں نے وعظ کیا۔ اسوقت لوگونکو سخت حیرت ہوئی اور تمام مجمع میں سرگردانی اور پریشانی پھیل گئی۔ عورتونکی اسدرجہ قدر و منزلت کرنیکی شاید یہی وجہ تھی کہ وہ دہقانی لڑکی سوجات کو نہیں بھولے تھے جسنے اُنھیں عین روحانی و جسمانی گرسنگی کی حالت میں

درخت دانش کے نیچے کھانا کھلایا تھا۔ اُسکے یہ الفاظ کہ مہاراج ان کھانوں کو
تناول فرماکر آپ سیر ہو جائیں گے اُنکے دل سے فراموش نہ ہوئے تھے۔ وہ الفاظ
اُنکے لئے نیک فال تھے۔ جونہی دن ڈھلا اور شام ہوئی اُنھیں بودہ کا درجہ حاصل
ہو گیا۔ اس سے شاید اُنھوں نے سوجات کو ملہم سمجھا تھا اور یونہی وہ کل فرقہ
انسان کو فرشتہ سیرت سمجھتے تھے۔ کیا نیک کیا بد کیا امیر کیا غریب کیا حسین کیا بدصورت
کیا شریف کیا رذیل وہ سبکے ساتھ یکساں محبت سے پیش آتے تھے۔

عمل اُنکا قول۔ بودہ مذہب کے زاہدونکے گروہ کی ترتیب۔ اُنکا شعار [illegible]
انسانوں کو عمل کی پاکیزگی بتانا۔ اُن کی رسالت کا منشا اور اُنکو راہ نجات دکھانا
اُنکا کام تھا۔ اب ہم ذیل میں دو روایتیں تمثیلاً درج کرتے ہیں جنسے گوتم کے
وعظ کہنے کا طریقہ ظاہر ہوگا۔

روایت ہے کہ ایک جوان لڑکی کا نام کسا گوتمی تھا۔ اُسکی شادی
ایک امیر کبیر کے اکلوتے بیٹے سے ہوئی تھی۔ یہ شادی اُس طرز پر ہوئی تھی
جیسا کہ تم اکثر قصّے کہانیوں میں پڑھ چکے ہو۔ خیر اسکے ایک لڑکا پیدا ہوا مگر ابھی یہ
پاؤں بھی نہ چلا تھا کہ طعمۂ موت ہو گیا۔ اس جوان عورت کی ماتا کو دیکھئے کہ وہ اپنے
مردہ بچہ کو کلیجے سے لگائے ہوئے اپنی مصیبت پر تاسف کرنیوالونکے گھروں پر دوا
مانگتی پھرتی تھی۔ بودہ مذہب کے ایک زاہد نے کہا۔ میری اچھی لڑکی جو دوا تمکو درکار ہے
وہ میرے پاس تو نہیں ہے مگر میں ایک عابد کامل کو جانتا ہوں جنکے پاس اس قسم

کی دوا موجود ہے۔ کسا گوتمی نے کہا آپ مہربانی کرکے بتایئے وہ کونسے عابد کامل
ہیں۔ زاہد نے جواب دیا وہ دوا تمکو گوتم بدھ دے سکتے ہیں تم انہیں کے پاس جاؤ
کسا گوتمی گوتم کے پاس گئی اور قدمبوس ہوکر کہنے لگی "سوامی جی آپ کوئی ایسی
دوا جانتے ہیں جو میرے بچہ کیلئے مفید ہو" گوتم نے جواب دیا "ہاں ہاں ہم
جانتے ہیں" اُس زمانہ میں ایسا طریقہ تھا کہ جو اجزا از قسم جڑی بوٹی اطبا نسخہ میں تجویز
کرتے تھے انہیں بہم پہنچانا خود مریض یا اُسکے تیمارداروں کا کام ہوتا تھا۔ اسلئے کسا گوتمی
نے دریافت کیا کہ مہاراج آپکو کونسی بوٹی درکار ہوگی گوتم نے کہا تھوڑی سی
سرسوں لے آؤ۔ گوتمی نے اس معمولی دوا کے لانے کا جلدی سے وعدہ کرلیا
اُسوقت گوتم نے اتنا اور کہا کہ تم یہ دانے کسی ایسے گھر سے لانا جہاں کسی کا فرزند
خاوند ماں۔ باپ۔ یا غلام کوئی بھی مرا نہ ہو گوتمی نے کہا بہتر۔ اور اپنے مردہ بچہ کو
لئے ہوئے دوا کی تلاش میں روانہ ہوئی۔ لوگوں نے کہا سرسوں کے دانے جسقدر چاہو
لیجاؤ مگر جب اُسنے پوچھا کہ تمہارے ہاں کبھی کوئی موت تو نہیں ہوئی تو وہ بولے یہ تم
کیا کہتی ہو زندہ تو معدودے چند ہی ہیں اور مُردہ بہت ہیں اسیطرح وہ ہر شخص کے
مکان پر گئی۔ کسینے کہا میرا فرزند ضایع ہوگیا۔ کوئی بولا ہمارے ماں یا باپ کا انتقال
ہوگیا۔ کسینے اپنے غلام کے مرنے پر افسوس ظاہر کیا۔ غرض کوئی گھر ایسا نہ ملا جہاں موت
نہ آئی ہو۔ اُسوقت اُسکے دل سے ظلمت کا پردہ اُٹھ گیا۔ اُسنے صبر کی بھاری سِل اپنے سینہ
پر رکھلی جی کڑا کرکے اپنے مُردہ بچہ کو جنگل میں چھوڑا اور بدھ کی خدمت میں حاضر ہوکر

اُنکی اطاعت قبول کی۔ گوتم نے پوچھا سرسوں کے دانے نہیں لائی۔ اُسنے جواب دیا سوئی بھی مجھے کہیں نہیں ملے۔ لوگ کہتے ہیں زندہ تھوڑے ہیں اور مُردہ بہت تب گوتم نے اپنے اصلی مذہبی طریقہ میں گفتگو کی اور ہر چیز کا فانی ہونا اُسکے دلپر ایسا مرتسم کردیا کہ اُسکے تمام شکوک قطع ہو گئے اور وہ مریدہ ہو کر مذہبی گروہ میں شامل ہو گئی۔

دوسری روایت یوں ہے کہ ایک مرتبہ کوئی متمول برہمن اپنے کھیت سے جسوقت فصل کاٹ کر اناج گھر لایا گوتم بدھ اپنی جھولی لیکر اُسکے پاس جا کھڑے ہوئے برہمن نے جھنجلا کر کہا "میں قلبہ رانی کر کے تخم ریزی کرتا ہوں اور بڑی محنت مشقت سے اپنا رزق پیدا کرتا ہوں تم بھی اسیطرح اپنا قوت حاصل کرو۔"

گوتم نے جواب دیا "میں بھی قلبہ رانی اور تخم ریزی کیا کرتا ہوں اور تیری طرح محنت و مشقت ہی سے اپنا رزق بہم پہنچاتا ہوں۔"

برہمن نے کہا کہ تم اپنے کو کاشتکار بتاتے ہو مگر میں تم میں کوئی علامت کاشتکاری کی نہیں پاتا۔ تم کاشتکار ہو تو تمہارا کھیت کرنیکا سامان ہل بیل بیج وغیرہ کہاں ہے؟

بدھ نے جواب دیا "سنو ایمان میرا تخم ہے جسے میں بوتا ہوں اور نیک کاموں کی بارش سرسبز و شاداب کرتی۔ عقل و حیا میرے ہل کے پرزے ہیں اور میرا دل اُسے چلاتا ہے۔ مذہبی قانون میرے ہل کا دستہ ہے۔ شوق و سنجیدگی میرا پہیا ہے اور محنت و سعی میرے بیل ہیں اس قلبہ رانی سے مغالطہ کے بیکار خودرو پودے اُکھاڑ

ڈالی جاتی ہیں اور جو فصل پیدا ہوتی ہے وہ مزدوروں اور ... جنکے کھانے ... جاتی ...

اعلیٰ مہاتما گوتم کی اواخر زندگی کے حالات لکھنے سے پیشتر ہم اُنکے چچا زاد بھائی دیودت کی مذہبی مخالفت کا بیان کرنا بہت ضروری سمجھتے ہیں۔ اس بودھ ... شخص کو شاید یہہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ میں بودھ کے درجہ سے کہیں برتر درجہ پا سکتا ہوں۔ اسلئے اُسنے اپنی زیر ہدایت ایک نیا گروہ قایم کرنیکی گوتم سے اجازت چاہی اور تجویز کیا کہ اس گروہ میں ایسے قیود کی پابندی کیجاوے جو گوتم کے اختیار کردہ قواعد سے بدرجہا سخت ہوں۔ راجگڑھی کا بادشاہ اجات شترو اس کا بہت بڑا سرپرست اور معاون تھا۔ زاہدوں کی جماعت میں بہت لوگ اس کے پیرو تھے اور عوام میں بھی اُسکو کسیقدر شہرت و عام پسندی حاصل ہوگئی تھی۔ انھیں باتوں نے مل جل کر اُسے اپنے نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے پر مستعد کر دیا۔ مگر وہ یکایک ایسی جرأت نہ کر سکا۔ وہ مذہبی تربیت میں زاہدوں کی آزادی کو پسند نہیں کرتا تھا اُسکی رائے تھی کہ سخت ریاضتوں اور دشوار قیود زندگی اختیار کرنیکے لئے سبکو مجبور کرنا چاہئے لہذا اُسنے گوتم سے کہا کہ اگر میری تجاویز قبول کرنیمیں کچھہ دقت ہو تو مجھے علیحدہ ایک نیا گروہ قایم کرنیکی اجازت ملجائے۔ مگر گوتم نے یہ درخواست منظور نہیں کی اور فرمایا کہ جو لوگ تمہارے مجوزہ قوانین کی پابندی قبول کریں اُنھیں اختیار ہے مگر میری بابت میں وہ بالکل غیر ضروری ہیں بلکہ نو عمر اور ضعیف الجثہ آدمیونکو تو ان کی مطلق ضرورت ہی نہیں۔ اکل و شرب کے باب میں میرے نزدیک بودہ مذہب کے پیروں کو دُہی

چیزیں استعمال کرنی چاہئیں جو اُن کے ملک میں عام طور سے کھائی پی جاتی ہیں۔ خواہ وہ درخت کے نیچے بیٹھیں خواہ مکان میں رہیں خواہ برہنہ رہ کر زندگی بسر کریں۔ خواہ دنیا داروں کے دئے ہوئے کپڑے پہنیں خواہ گوشت کھائیں خواہ ترکِ حیوانات کریں۔ ہر حال میں اُن کا ظاہر ہو جانا ممکن ہے۔ ہمارا خاص مقصد بنی نوع انسان کو نجات کا رستہ بتانا ہے۔ اگر سب کے لئے ایک ہی آئین باندھا جائے تو وہ طالبانِ نجات کے لئے سنگِ راہ ہو جائیگا۔

دیودت نے گوتم سے قطع تعلق کر کے اپنا نیا گروہ بنا لیا۔ مگر وہ اس گروہ کے قائم کرنے اور بودھ مذہب کے برباد کرنے ہی پر قانع نہیں رہا بلکہ اُس نے خود یا شاہ اجات سترد کے ذریعہ سے چند آدمی متعین کر کے تین مرتبہ گوتم کی جان لینے کی فکریں کیں۔ گو ان واقعات کے بعد دیودت بہت نوں جیا مگر اجات سترد مرتے دم تک بودھ مذہب کا جانی دشمن بنا رہا۔ اس نے سراوستی پر جو بودھ مذہب کا صدر مقام تھا یلغار کر کے تباہی ڈالی اور کپل وستو کو برباد و تاراج کر دیا۔

گوتم چوالیسویں سال کا موسم برسات سراوستی میں گزار کر گدھ سکمر (قلہ کرس) پر واپس آئے۔ یہ ان پانچ پہاڑیوں کی چوٹیوں میں سے ایک نہایت بلند چوٹی تھی جو راجگڑہی کے خوشنما وادی کے گرد واقع تھیں اور اُس میں ایک گپھا بنی ہوئی تھی یہاں سے وہ امباپلی کی طرف چلے اور رستہ میں دریائے گنگا کو اُس مقام پر عبور کیا جہاں اجات سترد دشمنوں کی روک کے لئے ایک قلعہ تعمیر کر رہا تھا۔ یہ اُس شہر کی بنا

پڑ رہی تھی۔ جو بعد کو سلطنت مگدھ کا پایہ تخت بن کر پٹا ٹی پتر کے نام سے مشہور ہوا۔ اور جسے آج کل پٹنہ کہتے ہیں

امبا پلی سے گوتم نے بیلو گمنک پہنچکر پینتالیسویں سال کی برسات کاٹی۔ مگر اسی سال میں وہ سخت بیمار ہو گئے اور انھوں نے کھلم کھلا یہ امر ظاہر کر دیا کہ اب ہم زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ انھوں نے کہا "اے درویشو آج سے تین مہینہ بعد ہم دنیا سے رحلت کر جائیں گے۔ ہماری عمر پوری ہو چکی اور پیمانۂ حیات لبریز ہو گیا ہم تم سے جدا ہو کر یکہ و تنہا سفر آخرۃ کریں گے۔ اے تصور میں رہنے والے پاک درویشو تم ثابت قدم رہنا اور اپنے ارادوں میں مستقل رہ کر خواہشات نفسانی کو اچھی طرح ضبط کرنا۔ جو شخص بے تکان اس قانون اور تربیت کی پابندی کرے گا اس کا تکالیف زندگی کے بحر زخار سے بیڑا پار ہو جائے گا۔"

بیماری سے افاقہ ہوا۔ اور ہاتھ پاؤں میں چلنے پھرنے کی طاقت آئی تو وہ کشتی نگر کی جانب روانہ ہوئے "پاوی" پہنچے تو چندا زرگر نے لحم خنزیر (سور کا گوشت) اور چاول پکا کر ان کی دعوت کی۔ گوتم کھانے سے فارغ ہو کر وہاں سے چل دیئے اور دریائے گکشٹ کے کنارے پہنچکر انھیں تکان اور پیاس کی شدت نے مضمحل کر دیا۔ اس لئے یہاں دم لینے کے لئے ٹھہر گئے۔ اپنے پیارے مرید "آنند" سے پینے کے لئے پانی منگوایا۔ جب پانی پی کر تسکین ہوئی ندی میں غسل کیا اور چند گھنٹے آرام کر کے چل کھڑے ہوئے مگر کشتی نگر پہنچکر انھیں اپنی موت کے آثار نظر آنے لگے۔

بڑے بڑے مریدوں کی زبان پر یہ لفظ جاری تھے کہ جس وقت سے ہمارے پیشوا نے اُس سنار کے ہاں کھانا کھایا ہی جب ہی سے وہ بیمار ہوگئے ہیں۔ یہ گفتگو سن کر گوتم ڈرے کہ مبادا میری وفات کے بعد دنیا کے لوگ چندا زرگر پر طعن و تعریض کریں یا وہ خود اپنے آپ کو ملامت کرے اس لئے انھوں نے آنند سے کہا کہ جب میں دنیا سے راہی ملک بقا ہو جاؤں تم چندا سے جا کر کہنا کہ تمھیں گوتم مہاراج کے کھانا کھلانیکا اگلے جنم میں نیک صلہ ملیگا اور کہنا کہ یہ لفظ انھیں کی زبان کے ہیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے اپنی عمر میں بہت لوگوں کے ہاں کھانا کھایا۔ مگر ان میں سے دو شخصوں پر خدا کی رحمت سب سے زیادہ ہوگی یعنی ایک سوجات جس نے مجھے بدھ کا درجہ پانے سے قبل درخت دانش کے تلے کھانا کھلایا تھا اور دوسرا چندا زرگر جس نے میری وفات سے پہلے مجھے کھانا کھلایا ہی۔

وہ ایک درختوں کے جھنڈ میں بیٹھ گئے اور بہت دیر تک اپنی تجہیز و تکفین اور چند اُن قواعد کی بابت جن کی پابندی اہل گروہ پر ان کی وفات کے بعد فرض ہوگی انند سے گفتگو کرتے رہے۔ انند نے جب اپنے پیارے پیشوا معلم سے سنا کہ وہ صرف ایک ہی دن کے مہمان ہیں انتہائے غم سے اس کا کلیجہ پاش پاش ہونے لگا اور وہ ایک گوشہ میں جا کر پیہم اشک باری سے آنکھوں کا بخار نکالنے لگا۔ گوتم نے عرصہ تک نہ دیکھا تو اُسے بلایا اور وہ گریہ کو ضبط کرکے اُن کے پاس آ بیٹھا۔ اُنھوں نے تسلی و تشفی کرکے نروان حاصل ہونے کی امید دلائی اور کہا کہ تم اس قدر کیوں

رنج کرتے اور روتے ہو۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ ایک دن ہم کو سب اپنے عزیز و اقارب اور جملہ دلپسند چیزوں سے جدا ہونا پڑے گا۔ کوئی ذی روح یا غیر ذی روح اپنی فانی صفات سے جو قدرۃ نے اس کی فطرت میں ودیعت کر دی ہیں علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اے انند مدۃ تک گفتار و کردار۔ ترحم و تصور میں تمھیں مجھ سے قربت حاصل رہی ہے اور ہمیشہ تم نے ہر بات میں اپنے آپ کو اچھا ثابت کیا ہے۔ پس اسی پر قائم رہو۔ تم بھی خواہشات دنیا اور قید جہالت سے آزاد ہو جاؤ گے پھر گوتم اور مریدوں کی جانب مخاطب ہو کر انند کی رحم دلی اور ژرف نگاہی کا ذکر کرتے رہے۔

اب اُن کی حالت ردی ہونے لگی اور وہ ایک درخت کے سایہ میں بے حس و حرکت پڑے رہے۔ رات کی درازی کا بیان کرنا دشوار ہے۔ ایک ایک گھڑی ایک ایک سال کے برابر گزرتی تھی۔ اُن غمگین مریدوں نے اُن کی تیمارداری میں ساری رات آنکھوں میں کاٹی نصف شب کے وقت ایک برہمن فلسفی کچھ سوالات دریافت کرنے کے لئے بدھ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر انند نے اِس خیال سے کہ جاں بلب مرشد میں مباحثہ کی طاقت نہ تھی فلسفی مذکور کو اُن کے پاس جانے سے روکا۔ یہ قیل و قال سُنکر گوتم نے دریافت کیا۔ اور حال کہا گیا تو انھوں نے برہمن کو بلا لیا۔

فلسفی کے سوالات سُنکر گوتم نے کہا بھائی یہ وقت ایسے مباحثوں کا نہیں ہے میں اپنے مذہب کا وعظ کہتا ہوں تم توجہ سے سُنو" نجاۃ بغیر طہارۃ و تقویٰ کے

نہیں حاصل ہو سکتی۔ یعنی جب تک طہارۃ کے آٹھ طریقے جن میں پہلا پاکیزگی اور آخر کار عشق آلہی ہی اختیار نہ کئے جائیں نجاۃ ملنا امر محال ہے۔

برہمن کے چلے جانے کے بعد گوتم نے انند سے کہا "شاید تم سمجھتے ہوگے کہ ہمارے مرشد کو سفر آخرت پیش آیا اور ہمارا کام ختم ہوا۔ مگر ہرگز ایسا خیال نکرو اور میرے بعد میرے مذہب اور مذہبی تعلیمات کو جو میں نے تمھیں تلقین کی ہیں اپنا مرشد اور معلم سمجھو"

ایک لمحہ بعد انھوں نے چھوٹے بڑے اہل گروہ کے باہم خطاب کرنے کا قاعدہ بتایا۔ اُن کے تمام قواعد مخترعہ میں سے یہ آخری قاعدہ تھا۔

ذرا آرام کرکے اُٹھے تو انھوں نے ایک شخص چان نامی کے لیے سزا تجویز کی جس نے کسی معاملہ میں بے جا کلام اپنی زبان سے نکالے تھے۔ یہ اُنکا آخری کام تھا جو انھوں نے مذہبی گروہ کے سرپرست اور پیشوا کی حیثیت سے کیا۔

اس کے بعد وہ ایک یا دو گھنٹے تک خاموش رہے۔ پھر اپنے مریدوں کو پاس بلا کر کہا "اگر تمھیں کسی بات میں کچھ شک و شبہ ہو تو وہ اس وقت رفع کر لو تا کہ تم کو اس بات کا افسوس نہو کہ جب موقع تھا ہم نے اپنے شکوک رفع کیوں نہ کر لئے" مگر کسی نے ایک لفظ بھی نہیں کہا اور سب کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہنے لگے۔

پھر انھوں نے تھوڑی دیر توقف کرکے کہا "اے درویشو اب میں تمھارے دلوں پر مرتسم کئے دیتا ہوں کہ دنیا میں کل اشیاء کے اجزا فنا پذیر ہیں۔ تمھیں چاہیے کہ

کہ اپنی سرگرم کوششوں سے نجات حاصل کرو۔"

یہ اس اعلیٰ رہنما کے آخری لفظ تھے۔ تھوڑی دیر میں اُن کے قویٰ مضمحل ہوگئے اور وہ اُسی حالت میں جنت کو سدھار گئے۔

افسوس سدھارتھ گوتم بُدھ نے وفات پائی۔ یہ وہی قدسی صفات گوتم تھے جنکی شاہزادگی پر کسی وقت باشندگان کپل وستو کی امیدیں وابستہ تھیں۔ یہ وہی رہنما تھے جنھیں درخت دانش کے نیچے بُدھ کا درجہ ملکر علم لدنی حاصل ہوا تھا۔ اُف دنیا کا اعلیٰ واعظ اور اکمل فلسفی رحلت کرگیا۔ ہائے وہ آفتاب جو مذہبی فلسفہ کے نصف النہار پر پہنچا۔ جس نے اپنی تیز کرنوں کی ضیا سے اس ظلمت کدہ کی تاریکی کو دور کرکے راہ نجات منور کردی جس نے اپنے نورانی فیض سے ابدی خوشی کے مندر کی کنجی انسان کے ہات میں سونپ دی۔ مغربی اُفق میں دنیا سے اپنی دھیمی دھیمی شعاعیں سمیٹتا ہوا آہستہ آہستہ غروب ہوگیا۔

تعلیمات گوتم بُدھ

گوتم بدھ کی سوانح عمری میں بیان ہو چکا ہو کہ اُن کو درخت دانش کے نیچے ایک علم حاصل ہوا تھا۔ مگر وہ کیا تھا اور کیونکر حاصل ہوا اس کا بیان ان تعلیمات میں کیا جائے گا۔ جس زمانہ میں ان کا ظہور ہوا سری کرشن کی اعلیٰ تعلیمات (فعال بلا خواہشات نفسانی۔ علم اور عشق) لوگوں کے دلوں سے محو فراموش ہو چکی تھیں یا یوں کہو کہ غفلت کے سبب لوگ اُن سے بے التفاتی کرنے لگے تھے۔ البتہ نجاۃ کی تمنا میں چند نفوس لق و دق جنگلوں میں بیٹھے ہوئے جوگ کی ریاضتیں کر رہے تھے۔ یا کچھ لوگ تصور و مراقبوں میں مستغرق چند پہاڑوں کی ایسی کھوہوں میں معتکف تھے جہاں انسانوں کا گزر دشوار تھا۔ مگر یہ معدودے چند ہی تھے اور اُنکی کامیابی یا ناکامی کو عوام الناس کی خوشی اور بنی نوع انسان کے ذریعہ نجاۃ سے کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ پجاریوں اور دانشمندوں نے حصول نجاۃ کے بہت سے مسائل ذہنی اختراع کئے۔ قربانیوں کے بیشمار طریقے ایجاد کئے۔ پرستشوں کی بہت سی شکلیں نکالیں۔

علم غیب اور بعید الفہم تصوف کی تلاشیں کیں۔ غرض دنیوی تکالیف سے نجات پانے اور راحت دائمی حاصل کرنے کے تقریباً ایک ہزار ایک ذرائع و وسائل اُس وقت انسان کو معلوم ہوئے اور اُن کی آزمائشیں کی گئیں۔ مگر اُن سے انسانی تکالیف کے دور کرنے میں کچھ بھی مدد نہ ملی۔ بیچارے انسان نجات کی جستجو میں ظالم پجاریوں اور خود غرض اہل مذہب کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے تھے۔

جب گوتم اپنے والد کے قصر شاہی سے نکل کر راحت دارین کی تلاش میں جنگل کی طرف روانہ ہوئے تھے اُس وقت ہند میں مذہبی دنیا کی یہی حالت تھی انھوں نے سب دینی قیود اختیار کئے۔ کل مذہبی قربانیاں اور رسوم ادا کئے۔ ان پابندیوں کو پجاری ذریعہ نجات بتاتے تھے۔ مگر افسوس بہت جلد انھیں معلوم ہوگیا کہ یہ سب اُن کے ڈھکوسلے اور روپیہ پیدا کرنے کی تدبیریں تھیں۔ پریشانی اور یاس کی حالت میں انھوں نے گنجان جنگلوں میں بیٹھکر وہ ریاضتیں کیں جو نجات کا زینہ اور مغفرت کا ذریعہ سمجھی جاتی تھیں اور جن کے دانشمند اور زاہد اجارہ دار بنے بیٹھے تھے۔ اس کے بعد مدتوں تحصیل علوم میں سر کھپایا۔ اور ہزاروں کتابوں کا شبانہ روز مطالعہ کرکے بدقت و دشواری اُن کے مطالب پر آگہی حاصل کی۔ ذریعہ نجات اور راہ بہشت کی جستجو میں ہر ایک فلسفہ کو پڑھا۔ ہر علم معرفت کو ڈھونڈا۔ مگر افسوس کسی سے تسکین نہ ہوئی۔ چھ سال تک سخت مجاہدہ اور جوگ کی دشوار ریاضتیں کیں مگر راہ نجات کا پتہ نہ لگا۔ پھر چھ سال تک استغراق مراقبہ اور یکسوئی تصور میں وقت صرف کیا۔ اس میں بھی حسرت نصیبی و محرومی حاصل رہتے

پیچھا نہ چھوڑا۔ بالآخر زندگی کی کلفتوں سے بہ تنگ آکر اور کم نصیبی سے پریشان ہو کر اُنھوں نے جنگل کا قیام ترک کیا اور جوگ تصور کو خیر باد کہکر درخت دانش کے نیچے آبیٹھے

دن ڈہلا۔ شام کی ہلکی روشنی آہستہ آہستہ دھندلی ہونے لگی اور پیشتر اس سے کہ رات کی ظلمت سے تاریکی کے گھٹا ٹوپ بادل چھاکر تمام عالم میں اندھیر گھپ ہوجائے ایک مشہور یونانی[1] حکیم کیطرح گوتم نے شور مچاکر کہا۔ "مینے اُسے پالیا مینے اُسے پالیا"

[1] یہاں یونانی حکیم سے (ARchimedes) ارشمیدس سے مراد ہے یہ اعلیٰ درجہ کا مہندس اور فلاسفر ہبوط آدم علیہ السلام سے ۵۶۸۲ برس بعد پیدا ہوا اس نے دعویٰ کیا تھا کہ اگر مجھے اپنے پاؤں ٹکانے اور علمی آلات رکھنے کے لئے جگہہ ملجائے تو جر ثقیل کے قاعدے سے کرۂ زمین کو بڑی آسانی سے اُٹھالوں۔ اسی فلاسفر نے دو ہزار برس قبل اجسام کا خاص ثقل یا دہاتوں کا اصل وزن صنفی دریافت کرنے کا قاعدہ ایجاد کیا۔ روایت ہے کہ ہیرو شاہ مکیوز نے ایک طلائی تاج تیار کرایا تھا جس میں اُسے شک ہوگیا کہ زرگر نے کچھہ مقدار چاندی کی بھی داخل کی ہے مگر اس آمیزش کے دریافت کرنے کا کوئی طریقہ اُسکے ذہن میں نہ آتا تھا۔ آخر کار شاہ مذکور نے حکیم ارشمیدس سے اس مسئلہ کو حل کرنیکے لئے کہا۔ اُسیوقت سے حکیم غور و خوص میں مستغرق رہنے لگا۔ ایک دن وہ غسل خانے میں نہا رہا تھا کہ یکایک بنے ہوئے زیورات میں کھوٹ دریافت کرنے کا اصلی قاعدہ اُسے معلوم ہوگیا اور وہ عالم مسرۃ میں ایسا از خود رفتہ ہوگیا کہ غسلخانہ سے ننگا مادرزاد یونانی زبان میں "یورک یورک" کہتا ہوا نکل آیا جسکے معنی ہیں کہ "مینے اُسے پالیا میں نے اُسے پالیا" مکان پر پہنچکر اُسنے ایک خالص سونیکا ٹکڑا لیکر پانی میں ڈالکر وزن کیا تو معلوم ہوا کہ سونے کے کُل وزن میں سے $\frac{1}{19}$ واں حصہ کم ہوگیا اُس سے یہ نتیجہ صریح نکالا کہ خالص سونے کا وزن پانی کے وزن سے ۱۹×۱ یعنی اُنیس گُنا زیادہ ہی پھر شاہ کے تاج کو وزن کیا تو معلوم ہوا کہ وہ $\frac{1}{19}$ دیں حصہ سے بہت زیادہ کم اُترا۔ اس لئے ثابت ہوگیا کہ تاج زر خالص کا بنا ہوا نہ تھا اور اسی قاعدہ کے بموجب سنار نے کھوٹ ملانیکی واجبی طور سے سزا پائی۔ مترجم

جس شے کی تلاش تھی وہ آخر کار مل گئی دقیق مسئلہ انسانی حل ہوگیا اور حصول نجاۃ کا ذریعہ معلوم ہوگیا۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست   آمد آخر زپس پردہ تقدیر پدید

مگر اس سوال کا جواب ابھی باقی ہے کہ وہ کیا چیز تھی جو درخت دانش کے نیچے معلوم ہوئی؟

سری کرشن کی وفاۃ سے تقریباً دو ہزار برس بعد دُنیا کا رنگ بالکل بدل گیا تھا۔ پُرانی چیزیں دست بُرد زمانہ کے ہاتھوں نیست و نابود ہو کر نئی چیزیں اُنکی جگہہ پیدا ہو گئی تھیں۔ انسان پھر اُسی درد والم میں مبتلا ہو کر دریائے معاصی میں غوطے کھا رہے تھے۔ ادائے فرائض میں کمی آگئی۔ فسق و فجور بڑھ گیا۔ انسان جرم و معصیت کے عمیق غاروں میں اترتا چلا جاتا تھا۔ خدائے تعالیٰ جل شانہ کو (جسکا عشق انسان کے ساتھ وہم و خیال سے باہر ہے) پھر اس امر کی ضرورۃ معلوم ہونے لگی کہ وہ عالم فانی میں ورود فرما کر نیکوں کی حمایت کرے اور بدوں کو سزا دے اور راہ بہشت دکھا کر دائمی راحت کی سلطنۃ کی طرف رہنمائی کرے۔ پس نوجوان گوتم کے قالب میں جب وہ آرزو مندانہ سرگرمی کیساتھ اپنے اور کل بنی نوع انسان کیلئے نجاۃ کا ذریعہ ڈھونڈھ رہے تھے جلوہ گر ہوا۔

جو جلوہ گوتم نے یکایک دیکھا اور جو ذریعہ نجاۃ اُن کو معلوم ہوا وہ بعینہ وہی تھا جو سری کرشن نے اپنی زبان فیض ترجمان سے بیان فرمایا تھا یعنی۔ فعل علم عشق

یہ خیال کرنا بڑی غلطی کی بات ہے کہ گوتم نے سری کرشن کے مذہب سے تجاوز کر کے ایک نئے مذہب کے وعظ کہے۔ گوتم نے خود اپنی زبان سے فرمایا ہے کہ جب دُنیا میں فسق و فجور بڑھ جاتا ہے۔ انسان کو نیکی اور طہارۃ تلقین کرنیکے لئے بُدھ کا اوتار ہوتا ہے۔ مجھ سے پہلے بھی بُدھ ہو چکے ہیں اور میرے بعد بھی بہت سے بُدھ ہونگے۔ شاید بُدھ نے سری کرشن کا نام بھی سُنا تھا۔ اُنکی تعلیمات کا بھی مطالعہ نہ کیا تھا مگر جو کچھ انھوں نے انسانوں کو تعلیم کیا وہ ہوبہو عین سری کرشن کی اُن تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے جو اُنھوں نے دو ہزار برس پہلے کی تھیں۔ وہ دونوں خدا تعالیٰ کے اعلیٰ اوتار تھے اُنکی تعلیمات میں کیونکر فرق ہو سکتا ہے۔

چونکہ ان دونوں رہنماؤں کا دو مختلف زمانوں میں ظہور ہوا تھا اور اُن کے مقاصد بھی مختلف تھے لہذا قدرتی طور پر اُن کی تعلیمات میں اکثر مواقع پر اختلاف ہونا ممکن ہے۔ مگر ہم ابھی دکھائینگے کہ وہ اصولاً ایک دوسرے کے مطابق ہیں اور دونوں تعلیمات کے اصول جنپر وہ مبنی ہیں ایک ہی ہیں۔

بُدھ اور سری کرشن کا فلسفہ یکساں ہے۔ دونوں کا قول ہے کہ دُنیا مبدل ناپائدار بلکہ خواب و خیال ہے۔ فعل برتر قوت متحرکہ ہے۔ افعال سے نتائج۔ نتائج سے تناسخ اور تناسخ سے تکالیف مصائب اموات اور شیون و ماتم ہوا کرتے ہیں بدھ فرماتے ہیں "جیسا بوؤگے ویسا کاٹوگے"۔ بُدھ نے فعل (کرم) کو اوّل درجہ کا قرار دیا ہے سری کرشن نے بھی افعال ہی کو سب پر فائق مانا ہے۔ بدھ فرماتے ہیں

"ہر چیز کو فنا ہے مگر فعل قائم بالذات ہے اور افعال سے نتائج مستخرج ہوا کرتے ہیں۔ جیسے تمہارے اعمال ہونگے ویسا اگلے جنم میں تمہیں اُن کا پھل ملیگا۔ جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے۔ "کردہ خویش آید پیش"۔

کرم۔ (فعل) پر جو انسان کا کاتب تقدیر ہے کیونکر قبضہ حاصل ہو سکتا ہے؟ بغیر افعال کے انسان ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا عام اس سے کہ وہ افعال ظاہری ہوں یا باطنی۔ افعال ہی انسان کو دُنیا میں مصیبت زدہ رکھتے ہیں اور یوں ہی وہ بہت سی حیاۃ و مماۃ میں رکھیں گے۔ گوتم فرماتے ہیں "نروان حاصل کرنیسے انسان کو افعال سے نجاۃ ملتی ہے"۔

نروان کیا ہے؟ بدھ فرماتے ہیں۔ "جو شخص ضبط نفس کرتا ہے وہ اپنی ذاتی تربیت سے نروان کے غیر پامال رستہ میں قدم دھرتا ہے" (دھرم پد ۵-۱۴۰)

بدھ فرماتے ہیں "جو شخص خاموشی کے ساتھ ہر بات کی برداشت کرلیتا ہے اُسکو نروان حاصل ہو جاتا ہے" (ابید۔ ۵-۱۴۴)

خواہش بدترین امراض میں سے ہے۔ جب یہ بات انسان کی سمجھ میں اچھی طرح سے آجاتی ہے تو اُسی حالت کو نروان کہتے ہیں" (ابید۔ ۵-۲۰۳)

سانتی (آسمانی راحت) نروان ہے اور یہی نہایت اعلیٰ درجہ کی خوشی ہے" (ابید۔ ۵-۲۰۵)

یہاں ہم ایک مشہور سنسکرت زبان کے فاضل کی کتاب سے ایک عبارة

اقتباس کرکے درج کرتے ہیں: "راحت میں روح کے داخلہ کا دروازہ نروان ہے روح کی راحت میں داخل ہوتے سے تمام خواہش و ارمان کا مطیع کرنا اور رنج و راحت کا محسوس نہ ہونا مراد ہے۔ بدی کو بدی، نیکی کو نیکی نہ سمجھنا، روح کا روح میں فنا ہونا دائرۂ ہستی سے رہا ہو کر مرگ و زیست کے چکّر سے رہائی پانا نروان ہے"
(میکس مولر)

نروان کے لفظی معنی نیست و نابود یا فنا ہو جانے کے ہیں۔ فنا ہو جانے سے کس شئے کا فنا ہونا مراد ہے؟ مذکورہ بالا اقتباس سے بخوبی ثابت ہے کہ فنا ہونے سے مراد خواہشات کا فنا ہونا ہے جس سے مراد یعنی دل کے فنا ہونے کے ہیں دل فنا ہو جانیکی حالت ہی کو نروان کہتے ہیں۔ مگر اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ نروان مرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ جیتے جی انسان کو نروان مل سکتا ہے۔ بُدھ کو حیات ہی میں نروان حاصل ہوا تھا جو زندگی میں نروان پاتے ہیں اُنھیں مُکت اَرہت کہتے ہیں۔ ایک اَرہت کا قول ہے: "نہ مجھے زندہ رہنے کی تمنا ہے نہ مرنیکی آرزو" میری خواہش فنا ہو چکی ہے اب میں صرف اپنی ہستی کا خاتمہ کرنیکے لئے مقررہ وقت کا منتظر ہوں"

سری کرشن نے فرمایا تھا کہ تم اپنی خواہشات یعنی دل کو فنا کرو۔ بُدھ فرماتے ہیں "نروان حاصل کرو" جسکے یہی معنی ہیں کہ اپنی خواہشات یعنی دل کو فنا کرو۔

نروان کے معنی بُدھ اُسکے سوا اور کچھ نہیں بتاتے۔ وہ فرماتے ہیں کرم (فعل) برتر ہے۔ کرم ہی ہمارے مقدر کا حاکم۔ ہمارے آیندہ جنم کا سبب اور ہماری جملہ تکالیف

کا باعث ہے۔ اِسکے ساتھ ہی اُنہوں نے وہ ذریعہ بھی بتایا ہے جس سے فعل غیر موثر ہوکر آیندہ نتایج پیدا نہیں کرسکتا اور وہ خواہشات کا یک لخت فنا کر دینا ہے۔ مگر جبتک دل فنا نہو یہ امر ممکن نہیں۔ اس مسئلہ پر ہم سری کرشن کی تعلیمات میں بہت کچھ بحث کر چکے ہیں۔ پس فنائے دل کے سوا نروان کے اور کچھہ معنی نہیں ہوسکتے۔ کیا اب بھی کسی صاحب کو سری کرشن اور بُدہ کی تعلیمات کی مطابقت میں شک ہو سکتا ہے؟ بُدہ نے بھی دل ہی کو فنا کرنا تعلیم کیا ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ بُدہ نے اُس حالت کا جسمیں دل فنا ہو جاتا ہے نروان نام رکھا ہے۔ اور سری کرشن نے کوئی نام نہیں رکھا۔

مگر بُدہ کا اوتار اس سے بھی زیادہ کام کرنیکے لئے ہوا تھا۔ مذکورہ بالا اصول کو سری کرشن نے حتی الامکان نہایت صاف الفاظ میں بیان فرمایا تھا تو بھی انسان اُسکے سمجھنے میں قاصر رہے اور اصلیت سے تجاوز کرکے اُسمیں نئے معنی پنہا دیئے بُدھ نے ظہور فرماکر اس بجھی ہوئی شمع کو پھر روشن کردیا اور غلط فہمیوں کو تشریح سے رفع کردیا۔

بُدھ فرماتے ہیں۔ "نجاۃ کا ذریعہ نروان ہے جسکے معنی دل کے فنا کردینے کے ہیں" جب تک انسان زندہ ہے اُس سے فعل کا صدور ہوگا۔ کیونکہ فعل ہستی ہے لہذا خواہشات اور دلی اغراض کے بغیر عمل کرنا چاہیئے تاکہ افعال سے کوئی نتیجہ پیدا نہو۔ یہی سری کرشن نے فرمایا تھا۔ مگر اُنکا قول عرصہ تک مُوثر نہ رہا اور انسان اُسے فراموش کرکے پھر گرفتار رنج و محن ہوگئے

اب دیکھنا چاہیئے کہ بُدہ نے اِس شمع کو روشن کرنیکے لئے کیا کیا۔ سری کرشن

نے فرمایا تھا۔ "خدا پر بھروسہ کرو" صرف یہی ایسا ذریعہ ہے جس سے تمہارا دل فنا ہو سکتا ہے مگر انسان اسکی تعمیل میں مجبور ہے بلکہ انکے لئے یہ ایک ناممکن امر تھا۔ اسلئے بدھ کو خیال ہوا کہ خدا کی جگہہ کوئی اور شے قائم کیجائے تو بہتر ہوگا لہٰذا انہوں نے فرمایا "اپنے آپ پر بھروسہ کرو"

اُنھوں نے دیکھا کہ خدا پر پورا بھروسہ کرنا انسان سے ناممکن ہے کیونکہ خدا پر بھروسہ کرنا اصل میں اپنے آپ کو بھلا دینا ہے۔ جو قریب قریب ناممکن امر ہے اس لئے اُنھوں نے یہ اعلیٰ اور برتر طریقہ نکالا جس سے بتدریج انسان کو نروان کیحالت حاصل ہو جاتی ہے

کیا بدھ منکر خدا اور دہریہ تھے؟ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ لوگوں نے خاص خدا کے اوتار کو ملحد سمجھا۔ ہم نہیں جان سکتے کہ بدھ جنکے قالب میں نور الٰہی جلوہ گر ہوا تھا خدا سے کیونکر منکر ہو سکتے تھے۔

جب انھیں درخت دانش کے نیچے بدھ کا رتبہ ملا اُنھوں نے پکار کر کہا تھا "اے کالبد خاکی کے بنانے والے جبتک مینے تجھے نہیں پایا تھا مجھے بہت سی حیات و ممات میں گزرنا پڑتا تھا اور وہ سب دردانگیز حالتیں تھیں مگر اب مینے تجھے دیکھ لیا ہے۔ مجھے اُمید ہے تو اس کالبد خاکی کو پھر نہ بنائے گا۔ دل نے دولت نروان حاصل کی تمام خواہشیں فنا ہو گئیں" (دھرم پد ۔ ۵ - ۱۵۳)

کیا یہی الحاد ہے؟ بدھ کو دھریہ کہنے کا سبب ہم کو اچھی طرح معلوم ہو سکتا وجہ یہی تھی کہ بدھ کا درجہ حاصل ہونے کے بعد گوتم نے پھر کبھی خدا کا نام نہ لیا اور دیدیوں کو کل دیوتاؤں کے خدا پر فضیلت دی۔ جو خدا وہ خود تھے اسکا ذکر کیوں کرتے مگر اُنھوں

نے بُدھ کے وجود سے کبھی انکار نہیں کیا۔ نہ کبھی یہ کہا کہ بُدھ مثل دیگر انسانوں اور دیوتاؤں کے ہیں۔ اُنھوں نے خدا کا نام بُدھ کہا تھا۔ جو وہ خود تھے۔ کیا یہ امر ممکن ہے کہ خدا کا اوتار اپنے آپ کو خدا سے جُدا سمجھے؟

سری کرشن نے اپنی تعلیمات میں اپنے آپ کو خدا کہا تھا۔ اُنھوں نے بھی کبھی دوسرے خدا کا نام نہیں لیا۔ جب اُنھیں خدا کا لفظ کسی جگہ کہنا ہوتا تھا تو وہ اُس جگہہ واحد متکلم کی ضمیر بولتے تھے یعنی اپنے آپ کو خدا کہتے تھے۔ مگر کیا اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ملحد یا دھریے تھے؟

گوتم اور اُن کے کل پیرؤوں نے خدا کا نام بُدھ رکھا تھا۔ وہ بُدھ کے معتقد تھے اور خود بُدھ ہو گئے۔ اُنھوں نے فرمایا ہر شخص میری طرح بُدھ ہو سکتا ہے۔ جب انسان کو نروان حاصل ہو جاتا ہے تو وہ بُدھ ہو جاتا ہے۔ جہالت سے انسان اپنی دنیوی ہستی اور خدا کو علحدہ علیحدہ محسوس کرتا ہے۔ جب جہالت جاتی رہتی ہے وہ اپنے آپ کو بُدھ کے درجہ میں پاتا ہے۔ کیا یہ سری کرشن کی تعلیمات کی خلاف ہے؟

دونوں کی تعلیمات میں فرق اتنا ہی ہے کہ ایک نے نجات حاصل کرنیکے لئے خدا پر بھروسہ کرنے کی ہدایت دی۔ دوسرے نے خدا کو نروان کے حاصل کرنےمیں علیحدہ رکھا۔ سری کرشن نے فرمایا "مجھ پر بھروسہ کرو اور تم کو معلوم ہوگا کہ میں اور تم ایک ہو گئے" بُدھ نے کہا "اپنے اوپر بھروسہ کرو اور بُدھ ہو جانیکی آرزو رکھو"۔

مگر حقیقت میں اِن دونوں تعلیمات کا ایک ہی مطلب ہے سری کرشن نے فرمایا

"مجھ پر بھروسہ کرنے سے تمھاری خواہشیں نیست و نابود ہو کر تمھارا دل فنا ہو جائیگا پھر تمھارے افعال سے نتائج پیدا نہ ہوں گے اور اُن کا خاتمہ ہو جائیگا۔ افعال کے خاتمہ سے ہستی جاتی رہیگی۔ مگر تو بھی تم اپنے آپ کو ایک ناممکن الادراک ہستی میں پاؤ گے اور یہ آسمانی پائدار اور غیر مبدل ہستی ہوگی۔" بُدھ نے فرمایا۔ "اپنے اوپر بھروسہ کرو اور نجاۃ حاصل کرنے کی خود کوشش کرو۔ نروان سے نجاۃ حاصل ہوگی۔ نروان حاصل کرنے کے لئے اپنی خواہشات اور اپنے دل کو فنا کرو۔ دل کے فنا ہونے سے ظاہری اور باطنی ہر قسم کے افعال موقوف ہو کر دنیوی ہستی فنا ہو جائے گی اور تم بُدھ ہو جاؤ گے" سری کرشن کہتے ہیں۔ "تم اپنے آپ کو ایک ناممکن الادراک خوشی کی حالت میں پاؤ گے۔" بُدھ بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ بُدھ کا درجہ بھی ایک ناممکن الادراک خوشی کا عالم ہے۔

"خدا پر بھروسہ رکھو" اس اصول میں کامیابی نہ ہوئی۔ یا یوں کہو کہ بنی نوع انسان کے لئے یہ بڑا ادقیق مسئلہ تھا۔ اس لئے دوسرے رہنما نے حصول نجاۃ کا دوسرا طریقہ "اپنے آپ پر بھروسہ کرو" بتایا اور علم کو سب پر فضیلت دیکر وہ اعلیٰ عملی طریقہ ایجاد کیا جس کے ذریعہ سے انسان رفتہ رفتہ بُدھ کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔

بُدھ نے حصول نجاۃ کے لئے جو طریقہ بتایا وہ کیا تھا؟ اُنھوں نے معتقدین ہب کے دو جداگانہ گروہ میں تقسیم کیا۔ پہلا گروہ گداگروں کا دوسرا دنیا داروں کا۔ دونوں گروہوں کے ممبروں کو کرم یعنی عمل کی ہدایت دی۔

گداگروں کے تین کام تھے (۱) علم حاصل کرنا (۲) دنیا داروں کو تعلیم و تلقین کرنا

(۲) حصول نجاۃ کے لیے محنت کرنا۔ اسی طرح دنیا داروں کے بھی تین کام تھے (۱) زاہدوں
سے علم سیکھنا۔ (۲) فرائض خانہ داری کا ادا کرنا (۳) زاہدوں کی خورد و نوش کا بندوبست کرنا
نجاۃ حاصل کرنے کے لیے تحصیل علم پہلا زینہ۔ خالص افعال اور پاک زندگی دوسرا
زینہ اور عشق عالم تیسرا زینہ تھا۔

خواہشات کو نیست و نابود اور دل کو فنا کرنا معمولی آدمی کا کام نہیں ہے۔ نروان
کے معنی دل کو فنا کرنے کے ہیں۔ پس جو شخص اس اعلیٰ درجہ کے حاصل کرنے کی خواہش
رکھتا ہے اُسے پہلے علم حاصل کرنا چاہئے۔ پھر دلی قوتوں کو پیدا کرکے اُن کی تکمیل کرنی چاہئے
خصوصاً عشق اور اُس کے توابعات۔ رحم۔ خیراندیشی وغیرہ میں کمال حاصل کرنا چاہئے
سری کرشن نے فرمایا ہے کہ افعال ہی کے ذریعہ سے افعال کا مٹنا ناممکن ہے۔ اسی طرح دل
ہی کی تکمیل سے دل فنا ہوسکتا ہے۔

انسانی دل میں سب سے زیادہ بے تعلقی پیدا کرنے والی قوۃ کونسی ہے؟ اگر
ہمکو حصول نجاۃ کی خواہش ہے تو لازم ہے کہ ہم اپنی خواہشوں کو فنا کردیں۔ ہم کو اس طرح پر
کام کرنا چاہئے جس سے موجودہ اور آیندہ زندگیوں کا کوئی ذاتی نفع مقصود نہو۔ یعنی ہمکو
بے غرضانہ کام کرنا سیکھنا چاہئے۔ مگر وہ کونسا کام ہے جس کے کرنے میں نفع ذاتی کی
خواہش نہیں ہوتی؟ ہم امید کرتے ہیں کہ سب لوگ متفق الرائے۔ قبول کریں گے کہ ایسا
کام عشق ہے۔ انسان بے غرضانہ عشق کرسکتا ہے۔ ہم انسانی زندگی کی ہر حالت میں دیکھتے
ہیں کہ اکثر مرد و زن ایک دوسرے کو بلا کسی غرض کے محبت کرتے ہیں عشق ہی کی غرض

سے عشق کرنا ممکن ہی بے غرضانہ عشق کیونکر کیا جاسکتا ہی؟ بدھ فرماتے ہیں "تحصیل علم سے"
علم سے دل کی تربیت ہوتی ہی۔ دل کی تربیت سے دلی قوتوں کی تکمیل اور دلی
قوتوں کی تکمیل سے عشقِ عالم پیدا ہوتا ہی یعنی قدرۃ کاملہ اور قدرتی اشیاء کی محبت پیدا
ہو جاتی ہی اور اس سے بالآخر نروان حاصل ہو جاتا ہی۔ لہذا نروان یعنی حصول نجات کے
لئے علم نہایت ضروری اور مقدم چیز ہی۔ بدھ نے علم کو اول درجہ کا رتبہ دیا اور ایک
نہایت اعلیٰ درجہ کا طریقہ نکالا جس سے انسان علم حاصل کرسکتا ہی۔

اُن کے زاہدوں کے نہایت ضروری فرائض تحصیل علم اور ترویج علم تھے۔ وہ
خانقاہوں میں رہ کر اپنی زندگی علم کی تحصیل میں بسر کرتے۔ سیدھی سادی طرز معاشرت
اختیار کرتے۔ در در بھیک مانگتے۔ گھر گھر علم پھیلاتے اپنے اوقات دماغی تربیت۔ اور
اخلاقی درستی میں صرف کرتے۔ انسانوں کو طہارۃ کی زندگی تعلیم کرتے۔ نیکی اور عشق کی
نہایت عمدہ مثالیں بتاتے۔ غرض جو کچھ کام وہ انسانوں کے لئے کرتے اُس میں صلہ
پانے کی بالکل خواہش نہ رکھتے۔ خواہشات کے فنا کرنے میں یہ اُن کا پہلا مرحلہ تھا جب
انسانوں کے ساتھ بے غرضانہ نیکی کرتے ہیں اُن کو پوری پوری کامیابی ہوجاتی تو وہ موجودہ
یا آیندہ ذاتی خوشحالی کی خواہش دل سے دور کرتے تھے۔ جو شخص کل معاملات دنیا میں
کما حقہ بے غرضانہ عمل کرسکتا ہو وہ بے شک کسی وقت اپنے حق میں بھی ویسا ہی کرسکتا
ہی۔ کسی زاہد کو جب یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہی تو وہ اُرہت ہو کر نروان کے دروازہ اور
بدھیت کے رستے میں پہنچ جاتا ہی۔

غالباً اس سے بہتر اور سادہ تر مذہب کے وعظ دنیا میں کبھی نہیں دئیے گئے۔ علم میں کمال حاصل کرو۔ اپنی زندگی کو کامل طور پر پاک بناؤ۔ حصول علم کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تمہارے افعال قاطبتہً پاک وطاہر ہو جائیں گے۔ عالم کی کل اشیاء کے ساتھ بے غرضانہ نیکی کرنے میں اپنی زندگی صرف کرو عام اس سے کہ وہ چیزیں ذی روح ہوں یا غیر ذی روح۔ بیغرضانہ عمل سے رفتہ رفتہ تم کو کل عالم کا عشق پیدا ہو جائے گا اور یہی نروان کا دروازہ ہے۔ بدھ نے کئی مرتبہ فرمایا ہے۔ "راہ نجاۃ طہارۃ سے شروع ہو کر عشق میں ختم ہوتی ہے"۔

بدھ نے طہارۃ پر حتی الوسع بہت زور دیا ہے۔ کیونکہ طہارۃ کے بغیر انسان کو کل عالم کا عشق پیدا نہیں ہو سکتا۔ ناپاک آدمی کو عشق نہیں ہوتا اور بلا عشق کے نروان کبھی حاصل نہیں ہوتا۔ انھوں نے کوئی قاعدہ کوئی قانون مقرر نہیں کیا۔ کوئی سخت اور دشوار قید نہیں لگائی۔ ان کا صرف یہی حکم تھا کہ طاہر رہو۔ کل عالم کے عاشق ہو۔ اور بے غرضانہ نیکی کرو۔ ان کے زاہد جس ڈھنگ کو پسند کرتے اس ڈھنگ سے رہتے مگر ہر حالت میں طہارۃ۔ عشق عالم اور بے غرضانہ نیکی کرنے کی سب کوشش کرتے رہتے۔ بدھ کی نظروں میں ہر چیز خوش آیند تھی۔ ان کی جماعت کبریٰ میں مرد وعورت یکساں داخل ہو سکتے تھے برہمن اور چنڈال دونوں کو ان کے حلقۂ مذہبی میں داخل ہونے کا برابر حق حاصل تھا۔ انکا برتر پیام سب کو یکساں پہنچتا تھا۔ ان کی مذہبی دکان سے بلا تفریق قوم۔ مذہب ملت سب کو جنس نجاۃ ایک بھاؤ پر فروخت کی جاتی تھی۔

عوام الناس اور دنیا داروں کے لئے ان کا مذہب بہت آسان ہے۔ وہ جانتے

تھے جو شخص دنیاداری کے جھگڑے بکھیڑوں میں پھنسا ہے وہ زاہدوں کی طرح بغیر غرض عمل نہیں کر سکتا۔ اہل دنیا کو اپنی خواہشیں فنا کر دینی قریب قریب ناممکن ہے۔ لہذا اُنھوں نے اُن کو صرف طاہر ہونے اور پاک و نیک زندگی بسر کرنے ہی کی ہدایت دی۔ اور علم حاصل کرنے کو کہا۔ کیونکہ علم پاک زندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ بیشتر دنیاداروں کو تحصیل علم کے لئے کافی وقت نہیں مل سکتا۔ اس لئے اُنھوں نے کہا کہ تم زاہدوں سے جب وہ تمھارے ہاں بھیک مانگنے آئیں صرف پاک زندگی کے اوصاف سنا کرو۔ جب تم زاہدوں کی جھولیوں میں کھانا ڈالوگے وہ تمھیں بتائیں گے کہ پاک زندگی سے عشق عالم اور عشق عالم سے نروان حاصل ہوتا ہے۔ تم پوچھوگے تو اُن کا فرض ہوگا کہ وہ تم کو پاک زندگی اور نیک افعال کی تشریح کر کے سمجھادیں۔ زاہدوں اور دنیاداروں دونوں کو نروان آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ نجاۃ ہر شخص کے دروازہ پر موجود ہے اسکے حاصل کرنے کے لئے کسی مذہبی قربانی۔ پرستش نفس کشی اور مجاہدہ کی ضرورۃ نہیں ہے۔ وہ امیر۔ غریب۔ جاہل۔ عالم۔ مرد۔ عورۃ سب کو مل سکتی ہے۔ انسان کو اس کے سوچنے کی ضرورۃ نہیں کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ نجاۃ انسان سے بہت ریاضت نہیں چاہتی نہ اس امر کے جاننے کی ضرورۃ ہے کہ کون شئی قابل محبت ہے اور کون شئے قابل نفرت۔ وہ پانی اور ہوا کی طرح بڑی آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ سب انسان برابر ہیں اور سب نجاۃ حاصل کرنے کے مستحق ہیں۔ اگر سب کو ایک ساتھ طہارۃ اور عشق حاصل ہو جائے تو سب کے سب اُس عالم میں پہنچ سکتے ہیں۔ جہاں تغیر۔ موۃ۔ تکلیف مصیبت کچھ نہیں ہے۔ جہاں ہر شئے

نشاط افزا اور ابدی ہے۔ جہاں زمین و آسمان علیحدہ علیحدہ کئے نہیں ہیں۔ جہاں انسان بُدھ ہے۔ اور باپ۔ بیٹے۔ خدا۔ آدمی سب ایک ہیں۔

یہ بُدھ کا مذہب ہے۔ یہی سری کرشن کا مذہب تھا اور یہی موجودہ اور آئندہ بُدھوں کا مذہب ہوگا۔ انسان کے لئے صرف یہی مذہب اور یہی راہ نجات ہے۔

بُدھ کو درخت دانش کے نیچے کیا علم حاصل ہوا تھا؟ یہ وہی تین پرانے الفاظ تھے جو بار بار دریائے جمن کے دلکش کناروں میں گونجتے پھرے۔ جنھوں نے کرکشیتر میں میدان کارزار کو حشر کا نمونہ بنا کر چھوڑا۔ یعنی فعل۔ طہارۃ۔ عشق۔

اب ہم بُدھ کی عام تعلیمات اور اشاعت دین کی کارروائی پر چند الفاظ لکھتے ہیں۔ جن سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ بودھ مذہب نے بنی نوع انسان پر عموماً کیسا اثر ڈالا بُدھ نے اپنے گروہ کے زاہدوں کے لئے بڑی عرق ریزی سے قواعد تیار کئے اور دنیاداروں کے لئے چند دلپذیر اخلاقی نصائح لکھے۔ مگر ہمارے مختصر رسالہ میں اس قدر وسعت نہیں کہ بُدھ مذہب کے اعلیٰ قواعد اور مرتفع قوانین تمام و کمال درج کریں۔ لہٰذا ہم یہاں صرف چند اخلاقی نصائح اور عام دینی عقائد ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

گوتم نے اپنی وفات سے پہلے جب باقاعدہ الوداع کہنے کے لئے اپنے گروہ کو جمع کیا تو انھوں نے فرمایا "اے گداگرو! میں نے غور و خوض کے بعد جو قوانین منضبط کرکے ظاہر کئے ہیں اُن کو اچھی طرح پڑھو۔ اُن کو عمل سے پورا کرکے اُن کی اشاعت کرو تاکہ میرا مذہب عرصہ تک قائم رہے اور کل اہل دنیا کی خوشی اور بہتری کے لئے لازوال ہو جائے

ہو ہر انسان اور دیوتا اُس سے متمتع اور بہرہ یاب ہوں۔ یہ قانون چھ حصوں میں اس طرح منقسم ہے (۱) چار سرگرم مراقبے (۲) چار بلیغ کوششیں (۳) چار دینداری کے رستے (۴) پانچ اخلاقی طاقتیں (۵) سات دانشیں (۶) آٹھ اعلیٰ طریقے (بودھ مت ص ۱۹۲۳) یہ بدھ کی تعلیمات کا لبِ لباب اور خلاصہ ہے۔ اب ہم ہر مذہبی اصول کو علیحدہ کی تشریح کرتے ہیں

(۱) چار سرگرم مراقبے

(ا) پہلا مراقبہ جسمانی کثافت پر۔

(ب) دوسرا مراقبہ پُر جوش حس کی پیدا کی ہوئی بُرائیوں پر۔

(ج) تیسرا مراقبہ خیالات کے عدم استقلال پر۔

(د) چوتھا مراقبہ ہستی کی حالتوں پر۔

(۲) چار بلیغ کوششیں

(ا) پہلی کوشش بُرائیوں کی پیدائش روکنے کے لئے۔

(ب) دوسری کوشش موجودہ بُرائیوں کو دور کرنے کے لئے۔

(ج) تیسری کوشش غیر موجود نیکی پیدا کرنے کے لئے۔

(د) چوتھی کوشش پیدا کی ہوئی نیکی کو ترقی دینے کے لئے۔

(۳) چار دینداری کے رستے۔

(ا) دیندار بننے کی خواہش۔

(ب) دیندار بننے کے لئے ضروری جد وجہد۔

(ج) دیندار بننے کے لئے دل کی ضروری تیاری۔

(د) دیندار بننے کے لئے تحقیقات۔

(۴) پانچ اخلاقی طاقتیں

(ا) ایمان

(ب) ہمت

(ج) یادداشت (حافظہ)

(د) تصور (سمادہی)

(ہ) الہام (باطنی دانش)

(۵) سات دانشیں

(ا) ہمت

(ب) حافظہ

(ج) تصور

(د) تحقیقات کتب مقدس۔

(ہ) نشاط

(و) استراحت

(ز) سلیم الطبعی

۶۔ آٹھ اعلیٰ طریقے۔

(ا) صدق عقیدۃ

(ب) صدق ارادۃ

(ج) راست گوئی

(د) راستبازی

(ہ) حلال روزی

(و) صادق العزمی

(ز) صادق توجہ

(ح) صادق تصور

یہ درمیانی طریقہ کہلاتا ہے یعنی اول تو وہ حقیر۔ بھدّے۔ شہوانی۔ بیہودہ۔ اور بے سود اشتغال سے پاک ہے جن سے کمزور خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔ دوم وہ زاہدانہ نفس کشیوں پر اعتماد کرنے سے مبرا ہے جو بیفائدہ اور دردناک ہیں۔

نیک زندگی کا درمیانی طریقہ چار خاص اصولوں سے جو چار اعلیٰ اصول کہلاتے ہیں نکالا گیا ہے یعنی (۱) تکلیف (۲) اسباب تکلیف (۳) انسداد تکلیف (۴) طریقہ انسداد تکلیف۔

(۱) تکلیف۔ انسان کی پیدائش۔ بالیدگی۔ بوسیدگی۔ بیماری۔ موت۔ سب تکلیف سے مملو ہیں۔ جن چیزوں سے بچنا ممکن نہو اُن سے پرہیز کرنے کی کوشش کرنی

تکلیف وہ ہیں جو چیزیں میسر نہ آسکیں ان کے ملنے کی خواہش کرنی ایذارساں ہے المختصر وہ دلی کیفیتیں جو وقوف شخصیت اور اپنی ہستی کو علحدہ سمجھنے میں پائی جاتی ہیں سب تکلیف اور اذیت کی حالتیں ہیں۔

(۲) اسباب تکلیف۔ ظاہری دنیا کے افعال کا اثر حواس پر پڑنے سے نفس کا بھڑکنا۔ حواس کو تسکین دینے والی شے کی آرزو پیدا ہونا۔ اور خود ظاہر ہونے والی شہوۃ انگیز اشیا کے دیکھنے کی خواہش پیدا ہونا۔ رنج و تکلیف کے اسباب ہیں۔

(۳) انسداد تکلیف مذکورۂ بالا خواہشوں اور شہوتوں پر پورے طور سے فتحیابی حاصل کرنا تکلیف کا انسداد ہے۔

(۴) طریق انسداد تکلیف۔ اوپر کے لکھے ہوئے آٹھ اعلیٰ طریقے تکلیف روکنے کے طریقے ہیں۔

بدھ فرماتے ہیں " اس طریق میں قدم رکھنے سے جملہ تکالیف کا خاتمہ ہوجاتا ہے میں نے یہ طریقہ اس بات کو دریافت کر کے تلقین کیا ہے کہ پیکان غم کی کھٹک دل سے کیونکر رست سکتی ہے۔ تمکو خود اس معاملہ میں کوشش کرنی چاہئے۔ بدھ صرف تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔ جو ہوشمند اس طریق میں قدم رکھتے ہیں وہ فریب دینے والوں کے دام تزویر سے آزاد ہو جاتے ہیں۔

وہ کون طریق ہے؟ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ اس طریق کے آٹھ حصے ہیں یعنی صدق عقیدۃ۔ صدق ارادۃ وغیرہ وغیرہ۔

طریق مذکور میں ذیل کے چار مرحلے بھی ہیں۔

پہلا مرحلہ جب انسان کو چار اعلیٰ اصول تکلیف۔ اسباب تکلیف وغیرہ معلوم ہو جاتے ہیں تو وہ مذہب کا معتقد ہو جاتا ہے۔ جن ذریعوں سے ان اصول کا علم ہوتا ہے وہ یہ ہیں (۱) نیکوں کی صحبت (۲) قانون مذہبی کا سننا (۳) محققانہ غور و فکر (۴) نیکی کی مشق کرنا۔ اس سے پہلے مرحلے میں انسان (۱) مغالطہ۔ خودی و خود بینی (۲) بُدھ کے وجود اور بودھ مذہب میں شک کرنے اور (۳) دینی رسوم اور مذہبی آئین کی تاثیرات کے قائل ہونے سے مبرّا ہو جاتا ہے۔

دوسرا مرحلہ تشکیک۔ خودی اور دینی رسوم کے مغالطوں سے آزاد ہو کر اس مرحلے میں انسان کی شہوانی قوۃ۔ نفرۃ۔ اور مغالطہ بہت کچھ دور ہو جاتے ہیں۔

تیسرا مرحلہ اس مرحلے میں رہی سہی بد اندیشی۔ اور شہوۃ پرستی بھی فنا ہو جاتی ہے اور پھر کوئی کم درجہ کی خواہش ذاتی یا دوسروں کی بدخواہی دل میں پیدا نہیں ہوتی۔

چوتھا مرحلہ۔ یہ ارتھوں کا مرحلہ ہے۔ اس میں انسان کو ژرف نگاہی حاصل ہوتی ہے جس سے وہ مادّی یا غیر مادّی ہستی۔ غرور۔ اتقا۔ بے علمی۔ سب سے مستغنی ہو جاتا ہے

بُدھ مذہب کی طریقت کا یہ مختصر بیان ہے۔ حصول نجاۃ کے لئے بُدھ نے یہی طریقہ ایجاد کیا ہے۔ راحت ابدی کے مندر کی یہی سیڑھیاں ہیں۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بُدھ نے اپنے پیروں کے گروہ کو دو جداگانہ حصوں میں تقسیم کیا تھا یعنی بُدھ دیندار اور بُدھ دنیادار۔ بُدھ دینداروں کے لئے جفاکشی کے

قواعد وضع کئے تھے اور پدھ دنیا داروں کے واسطے دلپذیر اخلاقی نصائح۔ اب ہم چند دنیا داروں کے اخلاقی نصائح درج کرتے ہیں مفصلۂ ذیل دنیا داروں کے خاص فرائض ہیں۔

اب میں وہ طرز معاشرت جو دنیا داروں کو اختیار کرنی چاہئے لکھتا ہوں اور وہ طریقے جن کو دنیا دار مرید اچھی طرح پر برت سکتے ہیں بیان کرتا ہوں۔ جو فرائض زاہدوں کے لئے مخصوص ہیں انھیں عیال دار ادا نہیں کر سکتے؛

"دنیا دار کو چاہئے کہ کسی جاندار کو قتل نہ کرے بلکہ کسی قسم کی اذیت نہ پہنچائے عام اِس سے کہ وہ جانور قوی ہو یا ضعیف۔ اور قاتلوں اور موذیوں کا ایسا فعل روا نہ رکھے"۔

میازار مورے کہ دانہ کش است — کہ جاندار دو جانِ شیریں خوش است

"دنیا دار مرید کو چاہئے کہ وہ کسی جگہ کوئی چیز نہ خود چُرائے نہ کسی دوسرے کو چُرانے دے اور چوروں کا یہ فعل پسند نہ کرے۔ غرض کہ ہر قسم کی چوری سے احتراز کرے"

غنا طبع بود کیمیاے روحانی — چو نیست مال میسر دل تو نگر باش

"عقلمند کو چاہئے کہ شہوت پرستی کو جلتے ہوئے انگاروں کی بھٹی سمجھ کو اس سے گریز کرے۔ اگر کوئی شخص عالم تجرید میں زندگی بسر نہیں کر سکتا تو اُسے زناکاری بھی نہ کرنی چاہئے"۔

نشاید ہوس باختن با گلے — کہ ہر بامدادش بود بلبلے

اگر کوئی شخص شاہی مجلس میں جائے یا کسی سرکاری تحقیقات کے لئے طلب کیا جائے تو وہ خود بھی دروغ و ناراستی سے بچے اور دوسرے کو بھی جھوٹ نہ بولنے دے۔ غرض ہر قسم کی دروغ گوئی سے پرہیز کرے۔

راستی موجب رضائے خداست　　کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

"دنیا دار کو واجب ہے کہ مسکرات اور اشیاء منشی کے استعمال سے خود بھی پرہیز کرے اور دوسروں کو بھی پُر کیف شرابیں نہ پلائے۔ مے خواروں اور مستکاروں کے افعال کو پسند نہ کرے ایسے شخصوں کو جو بادہ گساری کو دین و ایمان سمجھتے ہیں جاننا چاہئے کہ تمام نشہ آور چیزیں انسانی حواس کو معطل کر دیتی ہیں۔"

ہو بادہ کشی پر نہ جوانوں مفتوں　　گردن پہ نہ لو عقل خداداد کا خون

دنیا داروں کے فرائض پر ذیل کے قواعد بہت پسندیدہ ہیں۔

عام فرائض

۱۔ والدین اور اولاد کے فرائض

والدین کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو

(۱) بُرے کاموں سے بچائیں۔

(۲) نیکی کرنا سکھائیں

(۳) علوم فنون کی تعلیم دلائیں۔

(۴) لڑکوں کے لئے لایق بیویاں اور لڑکیوں کے لئے قابل شوہر تلاش کریں

(۵) ورثہ اور ترکہ دیں۔

لڑکے کو کہنا چاہئے کہ

(۱) میں اُن کی مدد کروں گا جنھوں نے میری پرورش کی ہے۔

(۲) میں اُن کے لازمی فرائض خانہ داری ادا کرونگا۔

(۳) میں اُن کے مال و اسباب کی حفاظت کرونگا۔

(۴) میں اپنے آپ کو اُن کے وارث ہونے کے قابل بناؤں گا۔

(۵) میں اُن کی وفات کے بعد اُن کی یاد تعظیم و تکریم سے کروں گا۔

۲۔ شاگرد اور استاد کے فرائض

شاگرد اپنے استادوں کی تعظیم و تکریم اس طرح کریں۔

(۱) اُن کے روبرو مودبانہ کھڑے ہوں۔

(۲) اُن کے خلیفہ کی طرح کام کریں۔

(۳) اُن کے حکم کو مانیں۔

(۴) اُن کی ضروریات رفع کریں۔

(۵) اُن کی تعلیم و تلقین پر توجہ کریں۔

استاد اپنے شاگردوں پر شفقت و الفت یوں ظاہر کریں کہ

(۱) انھیں ایسی تعلیم دیں جس سے اُن کا علم دیرپا ہو۔

(۲) اُنھیں اچھی باتیں سکھائیں۔

(۳) اُنھیں علوم وفنون اور عقل وشعور کی تعلیم دیں۔

(۴) اُن کے ساتھ اور اُن کے اعزہ اور احباب کے ساتھ لطف آمیز گفتگو کریں۔

(۵) اُنھیں خطرہ سے محفوظ رکھیں۔

۳۔ شوہر اور زن کے فرائض

شوہر کو اپنی بیوی سے یوں پیار کرنا چاہئے۔

(۱) اُس کے ساتھ عزت سے پیش آئے۔

(۲) اُس پر مہربانی رکھے۔

(۳) اُس کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

(۴) اُس کی دوسروں سے عزت کرائے۔

(۵) اُسے مناسب پورا اور موزوں پوشاک پہنائے۔

بیوی کو اپنے شوہر سے یوں محبت کرنی چاہئے۔

(۱) امور خانہ داری کو درستی کے ساتھ انجام دے۔

(۲) اہل خاندان اور دیگر اعزہ کی مہمانداری کرے۔

(۳) عفت وعصمت کے ساتھ اپنے شوہر کی محبت میں ثابت قدم رہے۔

(۴) اصراف خانہ داری میں کفایت شعاری کرے۔

(۵) جو کام اُسے کرنے ہوں اُن میں عقل وہوشیاری دکھائے۔

۴۔ دوست اور ہمدموں کے فرائض

انسان کو اپنے دوستوں کے ساتھ یوں برتاؤ کرنا لازم ہے۔

(۱) اُن کو تحائف اور ہدیہ دے۔

(۲) اُن کے ساتھ تہذیب سے بات چیت کرے۔

(۳) اُن کی اغراض اور دلچسپی کو بڑھاتا رہے۔

(۴) اُن کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرے۔

(۵) اپنی خوش قسمتی میں اُن کو شریک کرے۔

دوستوں کو اُس کے ساتھ یوں اتحاد ظاہر کرنا چاہئے۔

(۱) تنہائی میں اُس کی حفاظت کریں۔

(۲) بیخبری میں اُس کے مال و اسباب کی نگرانی کریں۔

(۳) خطرہ کی حالت میں اُس کو پناہ دیں۔

(۴) مفلسی اور بدقسمتی میں اُس کا ساتھ دیں۔

(۵) اُس کے اہل و عیال کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں۔

۵۔ آقا اور ملازمین کے فرائض

آقا اپنے متعلقین کی خوشحالی کے لئے حسب ذیل انتظام کرے۔

(۱) اُن کی طاقت کے موافق کام کی مقدار معین کرے۔

(۲) اُن کو مناسب کھانا اور حق الخدمت دے۔

(۳) اُن سے لطف وعنایت کے ساتھ پیش آئے

(۴) غیر معمولی دقیق امور میں ان کا ہاتھ بٹائے۔

(۵) کبھی کبھی انھیں تعطیل دیا کرے۔

ملازمین کو اپنے آقا کی خدمت اس طرح کرنی چاہئے۔

(۱) آقا کے روبرو تعظیم کے لئے اُٹھیں

(۲) اُس کے استراحت فرمانے کے بعد سونے کو جائیں۔

(۳) جو کچھ وہ دے اُس پر قانع رہیں۔

(۴) خندہ پیشانی سے ٹھیک ٹھیک کام کریں۔

(۵) اپنے آقا کی نسبت اچھے کلمے مونھ سے نکالیں۔

(۶) دنیاداروں اور دینداروں کے فرائض

دنیا دار گداگروں اور برہمنوں کی اطاعت وعزۃ کریں۔

(۱) محبت آمیز افعال سے۔

(۲) محبت آمیز اقوال سے۔

(۳) محبت آمیز خیالات سے۔

(۴) اچھی آؤ بھگت سے۔

(۵) اُن کی دنیوی ضرورتیں رفع کرنے سے۔

زاہد دنیاداروں سے یوں محبت کریں۔

(۱) اُنھیں بُرے کاموں سے باز رکھیں۔

(۲) نیک کاموں کی ہدایت کریں۔

(۳) اُن پر مہربانی کی نظر رکھیں۔

(۴) اُنھیں مذہب کی تعلیم دیں۔

(۵) اُن کے شکوک رفع کریں۔

(۶) اُنھیں بہشت کا رستہ بتائیں۔

اس قسم کی دلپذیر اخلاق پند و نصائح ہم اور بھی بہت سے درج کرسکتے تھے مگر وہ طوالت کتاب کے خیال سے قلم انداز کئے گئے۔ صرف اتنا ہی کہدینا کافی ہے کہ قریب قریب کل اخلاقی نصائح جن کی دنیا میں پابندی کی جاتی ہے بدھ ہی کے وضع کئے ہوئے ہیں۔

یہاں سے بدھ مذہب کی جماعت کبریٰ کے حالات مختصر طور پر لکھے جاتے ہیں۔

داخلہ۔ اس بھکشوگروہ میں داخل ہونے کے لئے سائل کی خواہش کے سوا اور کسی سند یا وثیقہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اُسے ظاہر کرنا ہوتا تھا کہ وہ امراض متعدی اور عوارض ذی نو اسب میں مبتلا نہیں ہے۔ اُسے تپ دق نہیں ہے۔ وہ کسی کا غلام یا مقروض نہیں ہے۔ اور اُس نے گروہ میں داخلے کے واسطے اپنے والدین کی رضامندی اور اجازت حاصل کرلی ہے۔ داخلہ کے وقت سائل کو پہلے سر منڈوانا پڑتا تھا اور نارنجی رنگ کے کپڑے پہن کر گوشہ نشینی اختیار کرنی ہوتی تھی۔

خوراک۔ کوئی زاہد علاوہ طلوع خورشید وماہ کے درمیانی وقت کے جسمانی طاقت برقرار رکھنے کے لئے کسی اور وقت کھانا نہیں کھاسکتا تھا۔ میخواری سے پرہیز کرنا اُس کا فرض لازمی تھا۔ عموماً تو زاہدوں کو اپنا رزق بہم پہنچانے کے لئے جھولی لیکر بھیک مانگنی پڑتی تھی۔ بھیک مانگنے کا یہ طریقہ تھا کہ زاہد دروازوں پر جاکر کھڑے رہتے مگر سوال نہ کرتے اگر کوئی شخص جھولی میں کچھ ڈالدیتا تو وہ دعائیں دیتے ہوئے آگے کو بڑھ جاتے جس وقت کافی کھانا ہوجاتا وہ اپنے قیام گاہ کو چلے جاتے اور جو کچھ ملتا اُسے کھالیتے۔

پوشش مکان اور پیشہ کی بابت بدھ نے کوئی سخت قید نہیں لگائی۔ اُن کے زاہد تین ٹکڑے نارنجی رنگے ہوئے کپڑے کے پہنتے اور جہاں چاہتے وہاں رہتے مگر عموماً وہ بڑی بڑی خانقاہوں میں جو دنیا دار پیروؤں نے تعمیر کرائی تھیں رہتے تھے

بودھ مذہب کے رہنے سہنے کا طریقہ حسب ذیل تھا۔

وہ سپیدۂ صبح کے نمودار ہونے سے پہلے اُٹھ کر بہار (خانقاہ) میں جھاڑو دیتے کوڑا کرکٹ صاف کرتے۔ دن کے پینے کا پانی بھرلاتے اور صافی سے چھان کر رکھدیتے پھر گوشہ میں جاکر اپنے دستورالعمل پر غور کرتے۔ تھوڑی دیر بعد جھولی اُٹھاکر اپنے سرگروہ کے ہمراہ روزانہ پھیری کے واسطے جاتے۔ واپس آکر اُس کے پاؤں دھونے کے لئے پانی لاتے اور جھولی اُس کے سامنے رکھدیتے۔ کھانے سے فارغ ہوکر اپنی جھولیاں پانی سے دھوکر صاف کرتے۔ جب تقریباً ایک گھنٹہ گزرجاتا نوشت وخواند

شروع کرتے۔ کوئی مذہبی کتاب پڑھتے یا کسی دینی رسالہ کی نقل کرتے اور جو مضامین سمجھ میں نہ آتے اُنھیں اپنے سرگروہ سے دریافت کرلیتے۔ غروب آفتاب سے قبل وہ پھر خانقاہ کو جھاڑتے اور چراغ روشن کرکے اپنے سرگروہ کی تعلیمات رجوع قلب سے سُنتے یا آئین دین کے مضامین کا آموختہ پڑھتے۔ جو چیزیں میسر ہوتیں اُنھیں پر قانع رہتے۔ غرور وتکبر دور کرتے جسمانی حسن۔ زبانی حلاوۃ۔ اور دلی نیکی پیدا کرنے کو ہمیشہ مدنظر رکھتے"۔

یہ بُدھ مذہب کے حالات تھے۔ اب ہم دکھائیں گے کہ مذہب نے گورتے بنی نوع انسان پر عموماً کیسا اثر ڈالا۔

پینتالیس برس تک گوتم کا سارا انہماک رسالت کے کاموں میں رہا۔ اُنھوں نے ہر فرد بشر کو دینیات کی یکساں تعلیم کی۔ مذہب کی اشاعت کے لیے ہر سمت میں آدمی بھیجے۔ مدرستہ العلوم اور خانقاہوں کا انتظام کیا۔ اور کل روئے زمین پر اپنا مذہب پھیلایا۔ ترویج دین کے لئے اُن کے زاہد مشرق میں چین۔ مغرب میں یورپ شمال میں تاتار اور جنوب میں جزیرہ سراندیپ تک پہنچے۔ بودھ مذہب کو ہر جگہ لوگوں نے ہاتوں ہات لیا۔ اور سیکڑوں ہزاروں آدمی مذہبی جھنڈے کے تلے آکر جمع ہوگئے۔ اس قبولیت عام کا یہ سبب تھا کہ یہ مذہب نہایت سادہ اور خالص تھا اس میں چھوٹے بڑے سب برابر تھے۔ ذات۔ فرقہ۔ رتبہ۔ درجہ۔ عام۔ خاص۔ برہمن چنڈال کی کوئی تمیز وتفریق نہ تھی۔ اس میں بھاری قربانیاں سخت نفس کشیاں پجاریوں

کی ایذا رسانیاں بالکل نہ تھیں۔ اس میں طہارت و اخلاق کی قدرو منزلت اور عشق عالم کی ہدایت کیجاتی اور ہر شخص کو نجات حاصل ہونے کی اُمید دلائی جاتی تھی۔ جس مکان میں اس مذہب کا زاہد ایک دفعہ بھی بھیک مانگنے گیا اُس کے مکینوں نے مذہب بدھ کو فوراً کشادہ پیشانی قبول کرلیا۔

بُدھ نے اپنے گروہ کا انتظام ایسا اچھا کیا تھا کہ اُن کی وفات کے بعد بھی اُنکے مقلدین نے اُن کے اعلیٰ کاموں کو جاری رکھکر اُن کا مذہب دور دور تک پھیلایا کوہ ہمالیہ کے برفستانی سلسلہ سے لے کر جزیرہ نما کے جنوبی ساحل تک اور دریائے سندھ سے دریائے برہمپتر تک اہل ہند نے بودھ مذہب اختیار کرلیا ہند کے باہر بھی مشرق میں بحر الکاہل اور مغرب میں بحر ظلمات تک اس مذہب نے تمام ملکوں میں رواج پایا تبت اور تاتار کے باشندے اور شمال بحر منجمد کی آبادیاں سب اس مذہب کی پیرو ہوگئیں۔ المختصر ایشیا کے رہنے والے اس سمندر سے اُس سمندر تک بودھ مذہب کے معتقد ہوگئے۔

یہ سب بُدھ کی ذاتی تعلیمات و تلقینات اور اُن کے بے ہمتا مذہب پھیلانے والوں کی بے تکان کوششوں کے نتائج تھے۔ مگر انھیں پر بس نہیں ہوئی۔ اُن کے مذہب نے یورپ بلکہ تمام دنیا کی علم و تہذیب پر ضمناً اثر ڈالا۔ مذہب مسیحی بودھ مذہب سے نکلا۔ یسوع مسیح نے بُدھ مذہب کی تعلیم[۱] پاکر اُس کے اخلاقی اصول کے وعظ دیئے

[۱] یہ محض مصنف کا حسن ظن ہے جس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں مل سکتا۔ (شبلی نعمانی)

اور اُن کے کل مریدوں نے بدھ گروہ کے [illegible] بدھوں کے قواعد کی پیروی کی۔

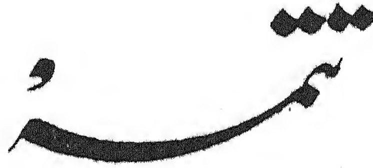
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ساڑھے سات سو برس بعد ایک سربرآوردہ شخص نے جو مسیحی دنیا میں سینٹ جان دمشقی کے نام سے مشہور و معروف تھا ایک کتاب "برلعام جوزفات" لکھ کر شائع کی۔ مشہور ہے کہ برلعام جوزفات کے رسالے نے درمیانی صدیوں میں بیحد قبولیت عام حاصل کی۔ لوگوں نے اس کی یہاں تک قدر کی کہ سُریانی۔ عبرانی۔ عربی۔ حبشی۔ ارمنی۔ السنہ مشرقیہ اور لاطینی۔ فرانسیسی۔ اطالیہ۔ جرمنی۔ انگریزی۔ ہسپانیہ۔ بوہیمین۔ پالش وغیرہ السنہ مغربیہ میں اس کا ترجمہ ہوا شروع سنہ ۱۲۰۴ء میں وہ آئسلینڈ کی بولی میں اور کچھ دنوں بعد جزائر فلیپائن کی زبان میں لکھی گئی۔ یہ امر مسلّم ہے کہ اس مشہور کتاب نے تمام یورپ پر نیکی و رہبانیت کے سکّے بٹھانے میں بڑی مدد دی۔ اگر جوزفات کا مشہور و معروف قصہ جو یورپ کے ہر خاندان میں پڑھا جاتا ہے نہ لکھا جاتا تو شاید دین مسیحی مغرب کے سرد ملکوں میں اس قدر جلد نہ پھیلتا۔ اہل یورپ اور عیسائی مذہب نے جوزفات کی اس قدر تقدیس و عظمت کی کہ اُس کو سینٹ کا رتبہ دیا۔ مشرقی کلیسا میں ۲۶۔ اگست سینٹ جوزفات کے تیوہار کا دن ہے اور روم کی سیر الشہدا میں اس تقریب کے لئے ستائیسویں نومبر مقرر ہے۔

جان دمشقی مصنف قصہ برلعام جوزفات لکھتا ہے۔ کہ سینٹ جوزفات ایک ہندی بادشاہ کا بیٹا تھا۔ مگر وہ بعد کو گوشہ نشین ہو کر زاہد مرتاض ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے اس قصہ کو اُن لوگوں کی زبانی سُنا تھا جو ہند

سے آئے تھے۔ اب بلاشک وشبہ یہ ثابت ہوگیا کہ جوزفات جس کے معنی "بدھی سنو" کے ہیں گوتم بدھ کپل وستو کے سوا اور کوئی شخص نہ تھا (دیکھو موکس مولر کی کتاب "مائیگریشنس آف فیبلس") جوزفات کا قصہ تمام وکمال بدھ کی سوانح عمری سے جو للت بستار میں درج ہے ایسا مشابہ ہے کہ یا تو مصنف نے کتاب للت بستار خود مطالعہ کی ہوگی یا کسی ایسے شخص سے سنی ہوگی جس نے اُسے پڑھ کر اُس کے مضامین پورے طور پر تفصیل وار حفظ کر لئے ہوں گے۔

بدھ کی وفات کو غالبًا ایک ہزار تین سو برس کا عرصہ گزر چکا ہے اُن کے مذہب میں اس قدر تبدل ہوگیا ہے کہ پہچانا نہیں جاتا۔ اُن کے سیدھے سادے پاک عقائد دینی بدل کر بعید الفہم مذہبی قواعد ہوگئے ہیں۔ مگر اب بھی انسانی خلقت کا ایک ثلث حصہ اُنھیں اپنا خدا مان کر اُن کی عبادت و پرستش کرتا ہے۔ گو اُن کا مذہب ہندوستان سے مفقود ہوگیا تاہم لوگ اُنھیں نہیں بھولے ہیں اور اُن کی ویسی ہی قدر و عظمت کرتے ہیں۔ اُن کو خدا کا ایک اوتار تسلیم کیا گیا ہے اور جمیع مذاہب موجودہ میں اُن کے مذہب کی روح پھونکی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یورپ میں بھی وہ زمانہ آئے گا جب مذہب مسیحی بودھ مذہب کی احسانمندی اور شکرگزاری کا دین ادا کریگا اور اس وقت بھی بدھ مہاراج معزز سینٹ جوزفات ہندی کے قالب میں وہاں موجود ہیں۔

لہ صفحہ ۲۰۰ سطر ۴ میں تحریر ہے کہ بدھ کی وفات کو تقریبًا پندرہ سو برس گزر چکے تھے مگر زمانہ موجودہ میں صرف ایکہزار تین سو برس کا عرصہ گزرتا بتایا گیا ہے شاید یہ مصنف صاحب سہو سے لکھ گئے ہیں۔ (مترجم)



تتمہ

دیگر رہنما

ہم بیان کر چکے ہیں کہ چار بڑے رہنماؤں کے علاوہ جنھوں نے ہمیں راہ بہشت دکھائی چند اور رہنما بھی گزرے ہیں۔ ان رہنماؤں نے اپنے ظہور سے سرزمین ہند کو متبرک مقام بنا کر دینی اُصول اعظم کو جزاً یا کلاً سمجھانے کے لئے وعظ کہے۔ مگر اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ کم درجہ کے رہنما تھے۔ جن پاک قالبوں میں نور الٰہی خاص کاموں کے لئے جلوہ گر ہوا۔ اُن میں فرق بتانا انسانی طاقت سے خارج ہے۔ ہاں اُن برگزیدہ انسانوں کی سوانح عمریوں اور تعلیمات کے مطالعہ سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن اور بدھ کے اصول دینی کی صراحت کرنے کے لئے ان کا ظہور ہوا تھا رہنمایان موصوف کی تعلیمات میں جو اختلاف پڑ گئے تھے انھیں دور کرنے کے لئے وہ آئے تھے اور مختلف مذاہب کے پیروؤں کے جھگڑے رفع کرنے کے لئے وہ پیدا ہوئے تھے۔

اشاعت دین کی دراز زندگی کے بعد بدھ نے دنیا سے رحلت کی مگر اُنکے

ساتھ اُنکا مذہب مفقود نہیں ہوا۔ اُنکے عزیز مریدوں نے اُنکے اُصول قایم رکھکر دُور دُور تک مذہب پھیلایا تقریباً بُدھ کی وفات کے تین سو برس بعد سلطنت مگدھ کا بادشاہ اسوک بُدھ کا بڑا مجتہد پیرو ہوا۔ اُسنے بُدھ مذہب کی اشاعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھّا اور زرِ خطیر صرف کر کے بڑی سرگرمیاں دکھائیں۔ کوہ ہمالیہ سے بحر ہند تک کل مُلک کو بودھ مذہب نے ڈھانک لیا اور ممالک اجنبیہ میں بحر الکاہل تک پھیل گیا۔ مگر یہ وسعت اور اشاعت اُسکے روحانی اُصول کی بربادی اور خرابی کا باعث ہوئی۔ اِس درخت کی جڑ کو دوران زمانہ کی دیمک لگ گئی یعنی مدت مدید میں جب یہ مذہب قریب قریب نصف دُنیا میں پھیل گیا تو اُسکی حالت حدِ اعتدال سے بڑھ گئی اور سادگی اور پاکیزگی جو اُسکے اعلیٰ اُصول تھے محو و فراموش ہو گئی حتیٰ کہ وہ پیچیدہ شرک۔ بعید الفہم اقوال اور باطل بت پرستی کا ذخیرہ بنکر کچھ سے کچھ ہو گیا۔

بُدھ مذہب نے آریہ مذہب کی عمارت کو ڈھا دیا۔ بُدھ کی پیدائش سے بہت پہلے سری کرشن کی تعلیمات فراموش ہو چکی تھیں اور سیدھے سادے مذہب کی جگہہ دُنیا میں پیچیدہ فلسفے اور ادق الٰہیات رائج ہو چکے تھے۔ پس مذہب کی گئی ہوئی سادگی کو از سرِ نو پیدا کرنے اور مذہبی شمع کی مدھم روشنی تیز کر کے اُصول دینی کی تشریح کرنیکے لئے بُدھ کا اوتار ہوا مگر افسوس اُنکے مذہب کا بھی وہی حشر ہوا زمانہ کی رفتار نے اسے بھی گرداب انحطاط میں ڈال دیا اور مرشدانہ تعصب۔ جاہلانہ بدعت کا طوفان اسے بہا لے گیا۔

بُدھ کی وفات کے بعد ایک ہزار برس کے اندر اندر ہند کی یہہ حالت ہو گئی کہ نہ سری کرشن کا مذہب باقی رہا نہ بدھ کا۔ ہندوؤنکے مذہبی تعصبوں اور بدعتوں نے سر اُٹھایا۔ بودھ مذہب کی عظمت وشان نے اُنکو نیچا دکھایا۔ ادہر ہزاروں صُورتوں میں خدا کا ظہور دکھایا گیا۔ ادہر مطلق اُسکا خیال بُھلایا گیا۔ اُدہر ہمہ اوست کا مسئلہ ذہن مین آیا۔ ادہر دہریہ پن دلو نمیں سمایا۔ غرض اس حیص بیص میں مذہب کی سلوگی ہات سے جاتی رہی۔

رحیم مطلق اور عالم ایجاد کا مالک بنی نوع انسان کو اس مصیبت وبیکسی کیحالت میں ذلیل وخوار نہ دیکھہ سکا اور اُسنے ایک انسانی قالب میں جلوہ فرما کر ہنود اور بدہ کے مذاہب کو موت کے منھہ سے نکال لیا۔ یہہ قدسی صفات بزرگ "شنکر اچارج"، تھے۔ اُنھوں نے قدیم آریہ مذہب اور جاں بلب بودھ مذہب کی تمام خوبیاں اور عمدہ اصُول ایک جگہہ مجتمع کرکے اُنھیں ایک فلسفہ ایک علم الٰہی اور ایک مذہب میں ترتیب دیا۔ المختصر شنکر اچارج کے ظہور سے بدھ مذہب کے بعید الفہم دینی قواعد اور ہندو مذہب کے فلسفیانہ اقوال مستند ایک ساتھہ غائب ہو گئے۔

مگر اُنھوں نے بدھ کی تعلیمات کا اصل اصُول "انسان ذاتی تربیت سے فنا فی اللہ کا درجہ پا سکتا ہے" قائم رکھا اور اسی بنیاد پر اپنے فلسفے کی عمارۃ اُٹھائی اُنھوں نے ہر مذہبی کتاب سے یہ اصل اصُول ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا اور ہندو مذہب کی مقدس کتابوں پر بیشمار تفسیریں لکھکر دکھایا کہ اس دعوی کو ہر شاستر میں

ثابت کیا ہے۔ مگر آخر کار جو سبب بودھ مذہب کو شرک سمجھنے کا ہوا تھا وہی شنکر کے مذہب پر صادق آیا۔ اُنکا مذہب یا کم از کم اُنکا اصل اُصول مذہبی بہی بعید الفہم ثابت ہوا اور بدستور سابق انسان دینی بدعتوں کی تاریکی میں ٹاپک ٹوے مارنے لگے۔

رحیم مطلق کو پھر شکل انسان اختیار کرنی لازم آئی۔ اس مرتبہ وہ بزرگ جنکے قالب کو نور خدا نے پاک کیا۔ رامانج تھے۔ جو باتیں شنکر اچارج سے رہگئی تھیں اُنھیں پورا کرنیکے لئے اُنکا ظہور ہوا۔ اُنھوں نے قریب القیاس اور قابل الادراک خدا کا مُرقع کھینچکر انسان کے سامنے رکھدیا۔ مگر انسان کیلئے خداشناسی ناممکن امر ہے یعنی جبتک عشق و محبت پرستش والتجا شکر و ثنا کیلئے خدا کی کوئی حسیّ شکل نہ ہو۔ انسان خوشحال نہیں ہوتا اور جہل و تعصّب اُسکا دامن نہیں چھوڑتے اسلئے رامانج نے زمانہ کے مقبول اور اعلیٰ ہیرو رام کے سر پر الوہیت کا تاج رکھکر شنکر کی تقدیر کلام کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

مگر افسوس انسان جہالت اور باطل عقائد ہی کو پسند کرتا ہی۔ لہذا اُسنے اُنکی پست ہمتی سے شنکر اور رامانج امان نہ دیسکے۔

مذہب جو ہندوستان کا ذریعۂ عز و افتخار تھا مفقود ہوگیا اور یوں ہند میں عرصہ تک لامذہبی کا زمانہ رہا۔ اسی زمانہ میں مذہب اسلام مغرب کیجانب سے ہند میں داخل ہوا۔ اس مذہب نے بُت پرستی مٹا کر خدا کی وحدانیت ظاہر کی۔ ہند میں ایسی ابتری ہوگئی تھی کہ اہل ہند اپنے رہنماؤں کے اقوال کو

بھول کر تینتیس کروڑ دیوتا اور دیونکو ماننے لگے تھے اپنی ناواقفیت کے سبب سے
اُنھوں نے وحدانیت کے اُصول اعظم کو مسلمانوں کی ایجاد سمجھا جو مغربی بیابانوں
سے خاک اُڑاتے ہوئے ہند میں وارد ہوئے تھے۔ مگر اسلام کو بھی ہند میں آکر ہندو
مذہب کیطرح اسی خرابی کا سامنا ہوا۔ یہ انسانوں کی نہایت وحشی اور متعصب فرقہ
کا مذہب ہو گیا جسکے حملوں اور فرمانروائی سے ہندوستان بہت برسوں تک تباہ و برباد رہا۔
ایک مرتبہ پھر سچے مذہب نے عود کرنیکی کوشش کی اور قریب قریب ایک ہی
زمانہ میں تین متبرک قالبوں میں خداتعالیٰ کا نور جلوہ نما ہوا۔ اور راماننداتے
بنارس کی خاک سے اُٹھکر ہندو مذہب کے تین بڑے عقیدوں۔ پرستش۔
قومیت اور بُت پرستی کے خلاف وعظ دیئے۔ وہ تمام قسم کی پوجا اور قربانیوں
کے مخالف تھے اور کہتے تھے کہ مسئلہ صُلح کُل اور عشق الٰہی ہی صرف ذریعہ نجات ہیں
دوسرے مقدس بزرگ گورکھ ناتھ پنجاب میں ہوئے اُنھوں نے رامانند کی
تعلیمات کو دُہرایا اور پجاریوں۔ قومیت اور دیوتاؤں کی کثرت کے خلاف وعظ
کہا اُنھوں نے بھی دُنیا میں مسئلہ صُلح کُل اور آسمان پر ایک خدا کا ہونا بیان کیا۔
مگر چونکہ انسان کیلئے خدا کا پہچاننا دشوار تھا اِسلئے شیو کو قابل پرستش قرار دیا۔
اب بھی ہندوستان میں بت پرستی۔ دیوتاؤں کی کثرت۔ مذہبی پیچیدگیاں
دینی بدعتیں۔ پجاریوں کا تعصب قومیت کے جھگڑے اور اسی قسم کی مرشدانہ
جبر و تعدیاں ویسی ہی تھیں۔ لہذا تیسرے بزرگ کبیر نے انسانی خلقت کے

نہایت ادنیٰ طبقہ سے پیدا ہو کر ظاہر کیا کہ صرف عشق عالم حصول نجات کا ذریعہ ہے۔ یوں یکے بعد دیگرے پانچ مقدس بزرگ شنکر اچاریہ۔ رامانج۔ رامانند۔ گورکھ ناتھ۔ اور کبیر نے مذہب کی جھلملاتی ہوئی شمع کی روشنی تیز کرکے سرکیش اور بُدھ کے اعلیٰ اصول دینی کی صراحت کی مگر اُن کی سجھدانہ کوششیں جزوی طور پر مشکور ہوئیں۔ کیونکہ اُن کی رسالت کا منشا اعلیٰ اصول کی جزاً تشریح کرنیکا تھا۔ لہٰذا اُنھوں نے وہی کیا جسکے لئے وہ پیدا ہوئے تھے۔

گو بہت سے سنت اور رشی پیدا ہوئے اور بہت سے رہنماؤں نے اعلیٰ اصول مذہبی کے وعظ کہے تاہم دُنیا میں جرم و گناہ کے رستے بند نہ ہوئے۔ لوگوں نے نیک کام کو چھوڑ کر بدکرداری اپنا شعار کر لیا۔ تو خدائے غفور الرحیم نے نیکوں کی حمایت اور بدکرداروں کی بربادی کے لئے پھر ایک اعلیٰ رہنما کی شکل میں ظہور فرمایا۔

یہ اعلیٰ رہنما نو دیپ کے مہا چیتن تھے۔ اصل میں وہ دوسرے بُدھ تھے چیتن کے معنی بھی روشن ضمیر کے ہیں اِس لئے چیتن اور بُدھ مرادف اور ہم معنی الفاظ ہیں۔ مگر حیات چیتن کے لکھنے سے پہلے ہم مذکورہ بالا پانچ مقدس رہنماؤں کے حالات اور تعلیمات مختصراً درج کرتے ہیں۔

شنکراچارج

نویں صدی کے شروع میں شنکراچارج ملک دکن کے قصبہ چیتامبر میں پیدا ہوئے مگر اُن کے لڑکپن کا زمانہ مولد میں نہیں گذرا کیونکہ وہ بارہ برس کی عمر میں مع اپنی والدہ کے مالابار میں رہتے تھے۔ اُنکے والد اُن کی صغر سنی ہی میں راہی ملک عدم ہو گئے اور جب انھوں نے ہوش سنبھالا دُنیا میں بجز اپنی ذات خاص کے کوئی مربی و سرپرست اتنا بھی نہ پایا کہ اُن کی تعلیم کا بندوبست کرتا۔ ماں کے پاس اس قدر بضاعت بھی نہ تھی کہ حوائج ضروری کو کافی ہوتی مگر اس نیک بی بی کی طبیعت ایک خاص قسم کی واقع ہوئی تھی۔ اُسنے شنکر کی تعلیم میں بڑی توجہ کی اور کل شاستر پڑھائے۔ ادھر شنکر نے بھی پڑھنے لکھنے میں بہت عجلت کی حتیٰ کہ سولہ برس کی عمر میں وہ تمام فلسفوں اور الٓہیات پر حاوی ہو گئے۔ مالابار بلکہ سارے دکن میں علم و فضل میں کوئی اُنکا ثانی نہ تھا۔

اس نوجوان فاضل میں عالی دماغی اور بلند خیالی کا مادہ پہلے ہی سے موجود تھا۔ وہ ہند کے فلسفہ اور مذاہب کی ابتری پہلے ہی ملاحظہ کر چکے تھے۔ بُدھ اعظم کی

وفات کو تقریباً پندرہ سو برس گزر چکے تھے۔ اُن کا سادہ اور مُرتفع مذہب بدعت وتعصب کے ہاتوں تباہ ہوکر آریہ مذہب اور اُس کے فلسفہ کو عود کرنیکا موقع دے چکا تھا۔ والس ونادانی۔ مذہب وتعصب۔ علم وجہل ایک دوسری پر فوقیت ڈھونڈھ رہے تھے ہند کی اِس مصیبت اور تاریکی نے شنکر کے دل پر بڑا اثر کیا اور اُنھیں معلوم ہوا کہ یہہ وہی سرزمین ہے جس پر رشی اور آریہ لوگ کسی زمانہ میں خوش گزران زندگی کے لُطف اُٹھا چکے ہیں اِس لئے اُنھوں نے علم کی روشنی سے ہند کی تاریکی دور کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا اور خیال کیا کہ علم ہی ایسا آلہ ہے جس سے جہل کی جھاڑیاں کٹکر ملک راحت کا رستہ صاف ہوسکتا ہے اسی کی زنگ صیقل سے دُور کرکے گئی ہوئی آب پھر پیدا کرنی چاہیئے۔

مذہبی اصلاح کے لئے سفر پر کمر باندھ کر گھر چھوڑنے کا قصد کرلیا۔ گو اِس وقت اُن کی عمر صرف سولہ برس کی تھی مگر تعصب وجہل کے دیو کا مقابلہ کرنیکے لئے اُنکی بازؤوں میں کافی قوت تھی۔ یہ سب کچھ تھا مگر ماں کے اصرار نے ارادہ پورا نہ ہونے دیا صرف یہی ایسا تعلق تھا جس نے باوجود عزم وہمت دُنیا میں پابزنجیر کر رکھا اُنھوں نے اپنی والدہ کی بار بار منتیں کیں اور قدموں پر سر رکھکر اجازت چاہی مگر وہ اُن کے گھر چھوڑنے اور زہد وتقویٰ اختیار کرنے پر راضی نہوئیں۔ اُن کی خوشی کا ذریعہ اور مفلسی کا سہارا شنکر ہی کی ذات تھی۔ گو وہ اپنی والدہ کی حیاۃ میں ترک وطن نہ کرسکے تاہم اپنے ارادہ میں ثابت قدم رہے۔

ایک دن وہ اپنی ماں کے ساتھ کسی قریب کے گاؤں میں مہمان گئے واپسی کے وقت دیکھتے کیا ہیں کہ ایک نالہ جسے وہ ابھی ابھی اُتر کر گئے تھے بڑے زور وشور سے چڑھ رہا ہے۔ اُنھوں نے اُسے عبور کرنا چاہا۔ نالہ چڑھا ہُوا تھا چلتے چلتے پانی اُنکی ٹھوڑی تک آگیا تو اُنھوں نے غل مچاکر کہا: "اماں اب بھی مجھے گھر سے جانیکی اجازت دوگی کہ نہیں؟ اگر اب بھی میری درخواست منظور نہ کی تو بس سمجھلو کہ میں ابھی تمہارے آنکھوں کے سامنے ڈوب کرجان دیدونگا"۔ ماں نے دیکھا کہ بیٹے کے تیور بیڈھب ہیں تو اُسکے اوسان جاتے رہے اور فوراً اجازت دیدی شنکر اپنی والدہ کو کاندھے پر اُٹھاکر خوش خوش نالے کے دوسرے کنارے پر جاکھڑے ہوئے۔

کچھ دنوں بعد شنکر نے اپنی والدہ سے رُخصت ہوکر مالابار کو خیر باد کہا۔ ماں کے سوا گھر میں اور کون تھا جوان کی روانگی کیوقت گریہ وزاری کرتا۔ وہ ایک گمنام اور بے سرپرست یتیم تھے۔ اُن کے جانے کے بعد کوئی بھی اُن کے حال کا پُرساں نہوا راہرو بیچاری والدہ کی دردانگیز شوروشیون کی صدائیں سُن سُنکر غریب شنکر کو کوستے اور بُرا کہتے ہوئے اُن کے دروازے سے گزرجاتے مگر یہ کوئی بھی نہ پوچھتا کہ اس آفت زدہ بیوی کی جان پر کیا گزرتی ہے۔

سولہ برس تک شنکر ہندوستان میں ادھر اُدھر پھرتے رہے۔ شمال میں کوہ ہمالیہ تک سفر کیا اور تمام مشہور مقامات اور دارالعلوم میں پہنچے۔ اشاعت دین پر جو تصنیفات اُنھوں نے کیں وہ "فتوحات" کے نام سے مشہور ہیں اور جتقدر مذہبی

کتابوں پر تفسیریں لکھیں اُن میں سے تفسیر ویدانت فلاسفی اُپنشد اور بھگوت گیتا قابل ذکر ہیں۔ تفسیروں کے علاوہ اُنھوں نے بیشمار اصلی کتابیں بھی تصنیف کیں ہیں جو بیان کی گھلاوٹ اور زبان کی شستگی اور خیالات کی بلندی میں بے مثل ہیں۔ کسی زبان کی تاریخ انشا پردازی میں اتنا بڑا قابل مصنف ہمکو شاید ہی ملیگا اُنھوں نے اپنی تصانیف سولہ برس کی عمر میں شروع کیں جسوقت انسان عموماً لڑکا کہلاتا ہے اور اُسکے بعد سولہ ہی برس اور زندہ رہے مگر اسی قلیل عرصہ میں قریب قریب تمام کتب فلسفہ اور الٰہیات پر تفسیریں لکھ ڈالیں اور لاتعداد اصلی کتابیں تصنیف کردیں

تصانیف و تفاسیر کے علاوہ اُنھوں نے ہندوستان کے موجودہ دارالعلوموں میں جا جا کر علمائے وقت سے مناظرہ کی درخواستیں کیں اور سرگرم مباحثوں سے اُنھیں اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑا۔ اور نامی رشیوں اور دانشمندوں کو جنگلوں اور کھوہوں میں جا کر شاسترتھی میں اپنی طرز خاص کا مقلد کرلیا۔ اُنکی فلسفیانہ فتوحات لاثانی تھیں۔ ایک عالم اور دانشمند بھی ایسا نہ بچا جو اُنکے خیالات کا پیرو نہو گیا ہو۔ یوں ابتری کو ترتیب اور تاریکی کو روشنی سے مبدل کرکے اُنھوں نے جہل کے کائی جمے ہوئے نیستانی سمندر کی تہ سے مذہب کا آبدار موتی نکال لیا۔

اسی پر خاتمہ نہیں ہوا۔ بدھ اعظم کی طرح اُنھوں نے بھی ایک مذہبی جماعت قائم کرنی چاہی۔ ہند کی چار مختلف سمتوں میں چار بڑی بڑی خانقاہوں کی بنیاد ڈالی ان میں سے ایک سرنگاگری مٹھہ کہلاتی ہے۔ دوسری دوارکا میں

سُہرودہا مٹھ کے نام سے مشہور ہے۔ تیسری نے سہری کھیتر میں گوبردہن مٹھ نام پایا اور چوتھی بدوریک آشرم میں جوشی مٹھ کہلاتی ہے یہاں یامر بھی قابل بیان ہے کہ اُنکے مُریدا ور مریدوں کے چیلوں نے جملہ دس مٹھ تعمیر کر کے ایک ایک نامور سنیاسی کے نام سے نامزد کیے۔ زمانہ کی بھی کیا نیرنگیاں ہیں۔ بُدھ کے زاھدوں کا پتہ بھی نہ رہا مگر شنکر کے سنیاسی ہندوستانمیں اب تک پائے جاتے ہیں۔

یوں سولہ سال کا زمانہ شنکر نے حصص ہند کی سیاحت اور ہدایت کے کاموں میں صرف کیا۔ صرف ایک مرتبہ اپنی جاں بلب ماں کو دیکھنے کے لیے دکن گئے آخیر میں وہ کشمیر کو چلے گئے اور اپنی حیات کا باقی حصہ سرنگاگری مٹھ میں گزارا وفات سے چند ماہ پیشتر جوشی مٹھ کو گئے اور وہاں سے کیدارناتھ پہنچے۔ یہاں یہ اعلی المصلح دین بے مثل واعظ اور عدیم النظیر فلاسفر ۳۲ برس کی عمر میں اپنے مریدوں اور پیرووں کو رنج و محن میں مبتلا چھوڑ کر جہان فانی سے مُلک جاودانی میں جا بسا۔

یہ گمنام وبے سرپرست سولہ برس کا لڑکا اپنی ماں کے جھونپڑے کو خیرباد کہتا ہوا مالابار سے نکلا تھا اور اتنے ہی برس اور دُنیا میں رہ کر انسانی رفاہ کے لیے مذہبی اصلاحیں کرتا رہا مگر اسیقدر زمانہ اُسکی شہرت اور ناموری کے لئے کافی ہوا۔

۱۶ سال تک جو عرق ریزیاں مذہبی کتابوں کی تصنیف میں کیں اُن کا نتیجہ نکلا کہ اہل ہند نے شنکر کو اُن کی وفات کے بعد الوہیت کا درجہ دیا اور اب تک اُنھیں شیو کا اوتار مانتے چلے آتے ہیں۔ ہندوؤں کے فلسفہ اور الٰہیات کے پڑھنے اور سمجھنے

ہیں اُن کی تفاسیر اب بھی نہایت بکار آمد ہیں۔

جس شخص نے بودھ اور ہندو شاستروں کو غور و خوض سے پڑھا ہے وہ یہی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ شنکر کی تمام کوششیں دو مذاہب کے لعل بے بہا کی حفاظت میں مبذول رہیں۔ در اصل اُنھوں نے اپنی اعلیٰ فہم و فراست سے اس بات کے ثابت کرنے میں بڑی کوشش کی کہ ہندو اور بودھ مذہبوں کے اُصول ایک ہی ہیں۔ اور بڑی تلاش و تجسس سے دکھا دیا کہ ہندو اور بودھ فلسفہ باہم کر مشابہ ہیں اس مشابہت کا ثبوت انھیں وید مقدس اور بعض اپنشدوں میں ملا پھر ان مقدس کتابوں پر تفسیریں لکھ کر اُن کی بُدھ فلسفہ کی طرز پر تشریح کی۔ بُدھ اعظم نے فرمایا تھا کہ انسان ذاتی تربیت سے بُدھ کا درجہ پا سکتا ہے۔ شنکر نے شرح کی کہ ویدانت فلسفہ کا یہی مطلب ہے کہ انسان کو ذاتی تربیت سے الوہیت حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر انھوں نے اپنے مذہب کو الحاد سے بچانیکے لئے خدا کا نام قایم رکھا بُدھ کا فلسفہ کپل کے فلسفہ پر مبنی تھا۔ اور شنکر کے ویدانت شاستر کی بنیاد بھی کپل ہی کے فلسفہ پر تھی شنکر کی تفاسیر کے مطالعہ سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اُنھوں نے گوتم کے پاک وصاف فلسفہ کو ہندو مذہب کے لباس سے آراستہ کیا ہے۔

مگر شنکر نے صرف بُدھ کے فلسفہ ہی کو محفوظ نہیں کیا بلکہ اُن کے زاہدوں کی بڑی جماعت کو بھی بد نظمی اور گمنامی سے بچایا۔ بیشتر امور جو اقتضائے زمانہ کے برخلاف تھے یا جن کی ضرورت نہ تھی متروک کر دیئے اور بہت سی مخترعات

جن کی سوسائٹی کی موجودہ حالت کیلئے سخت ضرورت تھی رائج کئے شنکر کے سنیاسیوں کے گروہ پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ گویا قدیم بودھ مذہب کا گروہ نئی وضع کے کپڑے پہنے ہوئے سامنے کھڑا ہے۔

بودھ مذہب کے لعل بے بہا کی حفاظت کر کے اور قدیم مذہبی تصانیف پر اعلیٰ درجہ کی مکمل تفسیریں لکھکر شنکر نے فی الحقیقت پامال بودھ مذہب کو آخری بربادی سے بچایا۔ مگر آریہ مذہب کو جو بودھ مذہب کے قبل ہند میں جاری تھا اور جس کی کتابوں پر انھوں نے خود تفسیریں لکھیں محفوظ و مصئوں نہ کر سکے ویدانتی مذہب اور سری کرشن کے مذہب کے ساتھ جو ویدوں اور اپنشدوں کا ماخذ تھا افسوسناک تباہی نے وہی کیا تھا جو بودھ مذہب کیساتھ غاصب زمانہ کی دست برد نے کیا یہ مذاہب بھی زاہدوں کے مذہبوں کیطرح مفقود ہو گئے۔ اسلئے گو شنکر کا مذہب قدیم آریہ مذہب کیطرح جاری کیا گیا تھا تاہم اُسمیں اور ویدانتی مذہب میں بیّن فرق نظر آتا ہے۔

بودھ اور ہندو مذہبوں میں بت پرستی اس قدر پھیلی ہوئی تھی کہ شنکر بھی باوصف دماغی قوت صرف کرنے کے ہند سے اُسکی جڑ نہ اکھیڑ سکے۔ شاید یہ کام انھیں ناممکن معلوم ہوا اسلئے اُنھوں نے یہی بہتر سمجھا کہ بتوں کی پرستش اور عبادت کے طریقہ میں ضروری ترمیم و تنسیخ کر کے اُسے درست کر دیں۔ اس امر کا بیان کر دینا شاید ضروری ہوگا کہ ہندو فلسفہ کی نظر سے شنکر بت پرستی کی

قائل نہ تھے اور ہیرو پرستش پر انھیں بالکل اعتقاد نہ تھا۔ مگر اُنھوں نے اِس عام پسند مذہب کے خلاف جہاد بھی نہیں کیا۔ بلکہ عقائد مروجہ کا تتبع کرکے اپنے بعض مٹھوں میں سرسُتی (علم و فضل کی دیوی) شیو اور دوسرے دیوتاؤں کی مورتیں رکھیں۔ اور خیال کیا کہ جن لوگوں کا جہل و تعصب دور ہو گیا ہے اُنھیں اِن سے ضرر پہنچنے کا کچھ احتمال نہیں مگر جو مرض جہالت میں مبتلا ہیں اُنھیں ذاتی تربیت کے واسطے اِن سے بے شبہ بڑی مدد ملے گی۔

اِس طرح شنکر نے ہند کے فلسفہ اور علم الٰہی کے گرانقدر جگمگاتے ہوئے جواہر منتخب کرکے منسلک کئے اور سری کرشن اور بُدھ کی تعلیمات کو محفوظ و مصئون کر دیا غالباً گوتم بُدھ کپل دستو کے بعد شنکر اچاریج ہندوستان میں سب سے اعلیٰ درجہ کے واعظ اور فلاسفر ہو گزرے ہیں۔

رامانج

شنکراچارج کی وفات کے تقریباً دو سو برس بعد حمایت دین کیلئے دوسرا رہنما پیدا ہوا۔ شنکر کی پیدائش سے قبل اور بدھ کی وفات کے کچھ دنوں بعد شیو مت نے ہندوستان میں بہت رواج پایا تھا۔ شیو اور اُن کی زوجہ کی حمد و ثنا کے گیت گانے کے لئے بیشمار کتابیں تصنیف ہوئیں مُلک میں صدہا مندر تعمیر کئے گئے اور بودھوں کے بہت سے معابد تبدیل ہو کر شیو الے بن گئے۔ شنکر باوجود ذاتی فضل و کمال کے شیویوں کو اُنکے مضبوط کمین گاہوں سے ہٹانے کی جرأت نہ کر سکے۔ شاید اس مذہب کے خلاف جہاد کرنا اُن کی قدرت و مکنت میں نہ تھا۔ لہٰذا شنکر کی وفات کے بعد اُنھیں لوگوں نے شیو کا اوتار تسلیم کرلیا اور اُنکے اقوال و اشعار کو شیو مذہب کی تائید میں سنداً پیش کرنے لگے۔

گو عُلما و فقہا نے شنکر کے فلسفہ کو تسلیم کرلیا مگر عوام میں اُنکے مذہب کو حُسن قبول حاصل نہیں ہوا۔ اُنکے سنّیاسیوں کا گروہ جیسا تھا ویسا ہی رہا مگر اُنکی تعلیمات صفحۂ روزگار سے مٹ گئیں۔

الغرض شیویوں کا تعصب دور کرنیکے لئے جو ہند میں ادھر سے ادھر تک پھیلا ہوا تھا اور اقوال مستند میں جنپر مذہب کی بنیاد تھی سادگی اور رفعت پیدا کرتے کے لئے دکن میں ایک بزرگ پیدا ہوئے۔ اسطرح شمالی ہند کی مذہب کی حفظ و حمایت کیلئے جسکی بنیاد جمنا اور گنگا کے دوآبہ میں پڑی تھی دریائے کرشنا اور کاویری کے کناروں پر یکے بعد دیگرے دو بزرگوں کا ظہور ہوا۔

یہ بزرگ رامانج تھے جو مقام پرمبر میں پیدا ہوئے۔ اُن کے پدر بزرگوار کا نام کیشب اور والدہ کا نام دھومی دیوی تھا۔ اُنھوں نے کنجن پور ضلع بیج نگر میں تعلیم پائی اور وہیں سے اپنے نئے مذہب کی وعظ و تلقین شروع کی یہانسے وہ سریرنگ پٹم چلے گئے جہاں اُنھوں نے کئی سال قیام کرکے اپنے مذہب اور فلسفہ پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

اسکے بعد اُنھوں نے اشاعت دین کا دورہ شروع کیا اور اثنار سفر میں بہت سے علما و حکما کو مناظرات فلسفہ میں شکست دیکر اپنے خیالات کا پیرو بنا لیا۔ بہت سے شیوالوں پر قبضہ کرکے اُن میں وشنو کی پرستش جاری کردی۔ وشنو اور شیو کے عابدوں میں روز بروز مناقشات بڑھنے لگے حتی کہ سریرنگ پٹم کا بادشاہ وشنیویوں کی تباہی اور بیخ کنی پر آمادہ ہوگیا۔ رامانج جان بچاکر بھاگے اور کرناٹک کی سلطنت میں پناہ لی۔ یہاں کا فرمانروا جین تھا۔ مگر رامانج نے کوشش و تدبیر سے اُسے وشنو مذہب کا پیرو بنا لیا

شاہ موصوف نے جادب کے مقام پر ایک بہت بڑا مندر تعمیر کیا جسمیں رامانج بارہ برس تک مقیم رہے۔

آخر کار رامانج نے اپنے دشمن شاہ سریرنگ پٹم کے مرنیکی خبر سنکر وطن مالوف کیطرف فوراً معاودت کی اور یہاں حیات مستعار کا باقی حصہ فقر و عبادات میں گزارا۔

قدما کیطرح رامانج نے بھی اپنے مذہب کی بنیاد اپنے ہی فلسفہ پر رکھی مگر بُدھ کے فلسفہ سے گزر کر حتی الوسع وہ عوام الناس کے عقائد کیساتھ قدم بقدم چلے اُنھوں نے اپنے فلسفہ میں وہ خاص نکتے جو شنکر نے بُدھ فلاسفی سے اخذ کئے تھے نکالدالے اُنھوں نے اِس مسئلہ کو کہ ''انسان خدا ہو سکتا ہے'' تسلیم نہیں کیا۔ وہ کہتے تھے کہ انسان نہ خدا ہے نہ اسکے بعد وہ خدا ہو جانیکی تمنا کر سکتا ہے۔ انسان اور خدا میں وہی تعلق ہے جو آقا اور خادم یا باپ اور بیٹے میں ہوتا ہے البتہ ذاتی تربیت سے انسان میں قادر مطلق کے سوا اور سب خدائی صفتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

رامانج اور شنکر کے فلسفیوں میں ایک اور بھی اصولی اختلاف ہے۔ شنکر کے ہاں خدا کو صفات سے معرّیٰ مانا گیا ہے اصل میں اُنکا میلان طبع ازاوّل تا آخر بُدھ کے فلسفہ کیطرف تھا یعنی شنکر کے ہاں خدا میں صفات کا نہ پایا جانا بُدھ کے ہاں خدا کے نہونے کے برابر ہے مگر رامانج نے اپنے مذہب میں برہمن کے مشابہ بھی کسی بات کا بیان کرنا جائز نہ رکھا۔ اُنھوں نے خدا کو کل صفات سے موصوف مانا ہے اور خدا کے اوتاروں کو بھی تسلیم کیا ہے۔

انھوں نے مکتی یعنی نجات حاصل کرنے کے یہ پانچ درجے بتائے ہیں (۱) متاع دنیا چھوڑ دینا (۲) پرستش کے واسطے پھول غیرہ چن کر لانا (۳) خدا کی پرستش کرنا (۴) خدا کے ناموں کے گیت گانا۔ اور شاستروں کا مطالعہ کرنا (۵) استغراق و شغل الٰہی کرنا

گو بادی النظر میں رامانج نے شنکر اور بدھ کے فلسفہ سے اختلاف کیا مگر حصول نجات اور مذہبی گروہ کے قیام میں اُن دونوں کی تقلید کی۔ گروہ بنائے ہیں انھوں نے شنکر کا حرف بحرف تتبع کیا اور محدود تعداد کے خاص خاص مٹھ تعمیر کر کے اپنے پیروؤں کو کسی نہ کسی مٹھ سے تعلق رکھنے کی ہدایت دی۔ شیومت ہندوستان میں عالمگیر مذہب ہو رہا تھا اور رامانج کے وشنو مذہب کو اسقدر فروغ نہیں ہوا لہذا شنکر کے مٹھوں کا طریقہ عام ہو گیا اور تمام حصص ہند میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ شنکر کے مٹھ کل ہند میں پائے جاتے ہیں مگر رامانج کے مذہب کا یہ حال نہیں ہے۔ وہ شمال میں عام پسند نہیں ہوا اور اُن کے مٹھ میان دوآب مشکل سے ایک دو ہوں گے۔

البتہ ملک دکن میں رامانج یا اُن کے مریدوں کے تعمیر کئے ہوئے مٹھ کثرت سے ہیں وہاں شمال میں وندھیاچل کے سلسلہ سے لیکر جنوب میں بحر ہند تک لاکھوں مرد و زن خاص کر انھیں کے مذہب کے پیرو ہیں اور ہزار ہا آدمی انھیں وشنو کا اوتار مان کر پرستش و عبادت کرتے ہیں۔

رامانند

جس وقت ہند میں سلطنت مغلیہ کے اقبال کا ستارہ چمک رہا تھا۔ اسلام ہندو مذہب کا مدمقابل بنا ہوا تھا اور ہر دو مذاہب کے اصول ایک دوسرے میں خلط ملط ہو رہے تھے۔ شمالی ہند کے مختلف حصوں میں تین مصلح رہنما راماننہ، گورکھ ناتھ، کبیر ہندو مذہب کی عظمت و سادگی پر روشنی ڈالنے کے لئے ظاہر ہوئے غالباً یہ جہانگیر اور شاہجہاں شاہان دہلی کا عہد تھا۔

بعض مورخین کی رائے ہے کہ رامانند رامانج کے مرید تھے۔ مگر چونکہ انھوں نے رامانج کی پیدائش سے تقریباً سو برس بعد ظہور فرمایا لہذا ان کا اس دکھنی بزرگ کا براہ راست شاگرد ہونا ممکن نہ تھا۔ لیکن وہ رامانج کے مذہب کے پیرو ضرور تھے انھوں نے ان کا فلسفہ سیکھ لیا تھا اور ان کے مذہب کو عام پسند بنانے میں ساعی تھے۔

افسوس کا مقام ہے کہ ہم رامانند کے حالات سے بہت کم واقف ہیں۔ انکے تذکرہ نویسوں نے افسانوں۔ خیالی قصوں اور ہزل و حکایات سے بہت صفحے رنگے ہیں اور بعض سربرآوردہ مریدوں کے حالات تحریر کرکے ان کی خاص سوانح عمری

کے لیے بہت ہی کم جگہ چھوڑی ہے۔ لیکن یہ امر مسلم ہے کہ وہ متبرک شہر بنارس میں مقیم رہے اور وہیں سے اپنے مذہب کے وعظ شروع کیے۔

نہ انھوں نے کوئی نیا فلسفہ ایجاد کیا اور نہ اُن کا کوئی نیا مذہب تھا۔ ہاں اگر کوئی تجدید کہی جا سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ انھوں نے ہند کے مشہور ہیرو رام کو الوہیت کا درجہ دیکر شمالی ہند میں اُن کی پرستش کو رواج دیا۔

کوئی شخص راماننـد کی تعلیمات مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا کرے تو وہ فوراً یہی نتیجہ نکال لیگا کہ اُن کا منشا صرف رامانج کے مذہب کو عام پسند بنانا تھا۔ شنکر اور رامانج کی طرح انھوں نے اپنی کتابیں زبان سنسکرت میں تصنیف نہیں کیں۔ بلکہ ملک کی عام فہم زبان میں لکھیں۔ رام کو خدا کا اوتار ماننے سے اُن کو صرف عوام میں اشاعت دین مقصود تھی۔ اُن کو معلوم ہوا کہ رامانج نے جو کچھ خدا کی بابت لکھا تھا وہ شنکر کی تحریرات کی بہ نسبت سریع الفہم تھا مگر پھر بھی عام طور پر انسانی فہم و ادراک سے بعید تھا۔ عوام الناس ایسے خدا کا تصور کیونکر کر سکتے ہیں جس کا جاننا رشیوں اور دانشمندوں کی سمجھ سے بھی خارج ہو۔ البتہ وہ ایک ایسے ہیرو کا تصور اور عبادت بہت آسانی سے کر سکتے ہیں جس کی توصیف و ثنا کرنا انھیں لڑکپن سے سکھایا گیا ہو جس کی بہادرانہ فتوحات کو وہ مدت العمر سے سنتے آئے ہوں جس کی شجاعت کے کارناموں نے اُن کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہو اور خدا کے بعد جس کی عظمت و تقدیس ہر فرد بشر کے دل میں جاگزیں ہو۔ جب لوگوں نے سنا کہ اُن کے

نہایت عزیز ہیرو رام خدا کے اوتار ہیں تو سب نے فوراً اُن کی پرستش و عبادت شروع کردی۔ رامانند کے مذہب کو شمالی ہند میں قبولیت عام حاصل ہونیکا یہی سبب تھا۔

رامانند نے متقدمین کی طرح اپنے پیرووں کے دو حصے کئے یعنی زاہد اور دنیادار زاہدوں کے گروہ کی ترتیب میں انھوں نے رامانج کی پیروی کی اور اُن کے طریقے میں چند ریفارم داخل کرکے کسیقدر جدت بھی پیدا کردی۔ یہ سب گروہ گوتم بدھ کی جماعت کبریٰ کی تقلید میں بنائے گئے تھے۔ لہذا شنکر۔ رامانج۔ اور رامانند کے مذہبی گروہوں میں مشکل سے کوئی نئی بات پائی جاتی تھی شنکر کی جماعت کے لئے دس مٹھ تھے۔ رامانند نے اپنے گروہ کے لئے مٹھوں کی تعداد سات ہی رکھی اور ہر پیرو کو ان سات مٹھوں میں سے کسی نہ کسی مٹھ سے تعلق رکھنا لازمی کردیا۔ جس دستورالعمل کی پیروی ان مٹھوں میں کیجاتی تھی اُن میں اور شنکر کے مٹھوں کے دستورالعمل میں شاید ہی کوئی بین اختلاف پایا جاتا تھا۔ بلکہ اب تک وہ ایک ہی قسم کی جماعتیں ہیں فرق صرف اتنا تھا کہ شنکر کے مٹھوں کے زاہد شیو کی پرستش مثل خدا کے کرتے تھے۔ اور رامانند کے مٹھوں میں رام کو وشنو کا اوتار مان کر پرستش ہوتی تھی۔ شیو اور وشنو کے مٹھوں کے متعلق کچھ آراضی بھی ہوتی ہے اور اُس کے مالک مہنت ہوتے ہیں کوئی اجنبی شخص جب تک دونوں قسم کے مٹھوں کے عبادت کا طریقہ دریافت نہ کرلے اُسے ان میں کچھ فرق معلوم نہوگا مگر یہ امر قابل بیان ہے کہ جو زاہد رامانج کے مٹھوں سے متعلق تھے انھیں سخت پابندی اور عسرت کی زندگی بسر کرنی پڑتی تھی۔ برخلاف اسکے

رامانند کے مٹھوں کے زاہدوں کی طرز معاشرت بہت آسان تھی۔ بہر نوع رامانند نے اپنے مذہب کو زیادہ تر عام پسند اور سادہ بنانے کی کوشش کی اور یہی انکا اصل مقصد تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ پجاریوں اور فلسفیوں کے مذہب کے مقابلہ میں اس مذہب کی پیروی سہل تر ہو جائے۔

رامانند کے بارہ ارشد تلامذہ تھے جو اعلیٰ قوم برہمن سے لیکر ادنے قوم چنڈال تک ہر قوم میں سے منتخب کئے گئے تھے۔ رامانند کی زندگی میں اور اُن کی وفات کے بعد بھی یہ بارہوں مرید اشاعت دین میں سرگرم رہے بلکہ اس امر میں اپنے مرشد سے بھی سبقت لے گئے۔ مریدوں کے مختلف القوم ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ رامانند ذات کی تفریق کا کچھ خیال نہ کرتے تھے۔ اور ہر ملت کے آدمیوں کو بطیب خاطر اپنے گروہ میں داخل کرتے تھے۔

ان مریدوں نے صفحہ روزگار پر لازوال یادگاریں چھوڑیں ہیں مگر اُن میں سے ایک تو اپنے مرشد سے بھی بڑھ گئے اور اُن کا دل اپنے ہمعصروں بلکہ خود مرشد کے مقابلہ میں آسمانی نور سے زیادہ تر منور ہوا۔ یہ اعلیٰ بزرگ کبیر تھے لیکن اُنکی سوانح عمری لکھنے سے پیشتر ہم اُن چار شخصوں کا مختصراً بیان کرتے ہیں جو رامانند کے پیروں میں کم درجہ کے سمجھے جاتے تھے گو وہ رامانند کے بارہ مریدوں میں بڑھے چڑھے نہ تھے تاہم قدر و عظمت میں اُن کے ہم پلہ ضرور تھے۔

اِن میں سے ایک ناوا جی تھے جو مشہور کتاب بھگت مال کے مصنف ہوئے

دوسرے سورداس جو ہندی میں نامی کبیشر اور اسکے علاوہ وہ بڑے مغنی ہو گزرے ہیں
باقی دو عدیم النظیر شاعر تھے جنسے تعلیم یافتہ طبقہ کے آدمی بخوبی واقف ہیں
یعنی تلسی داس بھاشا رامائن کے مصنف، اور جیدیو جن کا کلام وجد وسماع کی
مجلسوں، معابدوں اور مندروں میں برابر گایا جاتا ہے۔

ناواجی ایک مبتذل قوم میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کی ماں سخت کال کے دنوں میں اُن کو ایک جھاڑی میں چھوڑ گئی اور دو وشنو زاہد انھیں اُٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے وہاں وہ پرورش پاکر اُس مشہور تذکرے کے مصنف ہوئے جس کا جواب آج تک شمالی ہند میں کسی نے نہیں لکھا۔

ہوش سنبھالتے ہی وہ اپنا تعلق متذکورہ سے قطع کر کے رامانند کے مرید ہو گئے۔ مشہور ہے کہ بھگت مال کا تذکرہ انھوں نے اپنے مرشد کی فرمائش سے لکھا تھا۔ ناواجی صرف غیر معمولی شاعر ہی نہ تھے بلکہ صاحب باطن بھی تھے اور اُن کا عشق الٰہی اور فقر اور مشائخ کے ساتھ اعتقاد تاریخ ہند میں عدیم المثال ہے۔

سورداس کی سوانح زندگی بہت کم معلوم ہیں۔ وہ اندھے تھے اور اُس وقت کے مقبول شاعروں میں سے تھے۔ اُن کا مدفن (سماوہ) بنارس کے قریب موضع شب پور میں ہے۔ روایت ہے کہ وہ ایک برہمن کے گھر میں پیدا ہوئے اور اکبر شاہ دہلی کے عہد میں تھوڑے عرصہ تک محکمۂ مال میں تحصیلدار رہے۔ ایک دفعہ انھوں نے کل زر محاصل بندرابن میں مدن موہن جی کے مندر کے لئے وقف کر دیا

اور خالی صندوق پتھروں سے بھر کر شاہی دربار میں بھیج دیئے۔ اس جرم پر مونمن الدولہ راجہ ٹوڈرمل نے انھیں قید کر دیا۔ مگر اکبر نے دیوانہ سمجھ کر رہائی کا حکم دیا۔ سورداس وشنو مذہب کے زاہد ہو کر سارے ہند میں پھرتے رہے اور بیشمار گیت اور کبت تصنیف کر کر کے گاتے رہے۔ اُن کے ہر ایک گیت اور کبت سے محبت الٰہی اور روحانیت ٹپکتی ہے۔

تلسی داس چترکوٹ کی پہاڑی کے قریب جج پور کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے۔ پہلے وہ راجہ بنارس کے دیوان رہے مگر بعد کو فقر و زہد اختیار کر کے بندرابن چلے گئے۔ بہت سے مقامات کا سفر کر کے وہ بنارس کو واپس آئے اور یہاں رامائن کی مشہور کتاب لکھی۔ اس کے سوا چند اور کتابیں بھی تصنیف کیں اور اواخر زندگی کا حصہ اسی متبرک شہر میں گزارا۔

جیدیو مغربی بنگال کے موضع کیندایل میں پیدا ہوئے۔ شاید ہندوستان میں یہ گانے کی نظم کے بہت بڑے شاعر ہوئے ہیں وہ مفلس تھے مگر آخرکار ایک لڑکی کے ساتھ جسے اُس کا باپ اُن کے جھونپڑے پر چھوڑ گیا تھا شادی کرنے پر مجبور ہوئے۔ انھوں نے اپنی تمام عمر اپنے ہی گاؤں میں رہ کر زہد و عبادت میں بسر کی مگر اُن کے گیت گوبندکو لوگ ہمالیہ سے لیکر سمندر تک سارے ہندوستان میں پڑھتے اور گاتے تھے۔

لہ یہ کتاب تقریباً سنہ ۱۲ میں لکھی گئی ۱۲ مترجم

یوں رامانند کا مذہب تمام ملک میں پھیل گیا۔ اُن کے مریدوں نے سارے ہند میں گشت کرکے عوام الناس کو مذہبی وعظ سنائے مگر اُن کے چار شاعر مریدوں نے اپنے پرتاثیر گیتوں اور دلکش نظم سے دین کی اشاعت میں بہت کچھ کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں رامانند کا وشنومت یا دوسرے الفاظ میں رام کی پرستش کا طریقہ ہندوستان میں نہایت مقبول وپسندیدہ ہوگیا۔ گو اُن کے مریدوں نے وشنو کے علاوہ اور اوتاروں کو بھی مانا ہی مگر رام کی پرستش پر بہت زور دیا ہی بلکہ ابتک ان کے پیرووں میں رامانندیوں کا فرقہ بہت بڑا ہی جو رام سیتا۔ اور ہنومان کی پرستش کرتا ہی۔ شنکر کی اعلیٰ نظم اور برتر فلسفہ نے شیومت کی بڑی حمایت کی مگر رامانند نے اُسے بڑی زک دی اور اب تک اُنکا وشنو مذہب ہند کے شمالی حصّہ میں پھیلا ہوا ہی۔

کبیر

کبیر نے اپنے مرشد رامانند کی بہ نسبت مذہب میں اور بھی سادگی اور عظمت پیدا کی۔ رامانند نے مذہبی رسوم سے جہانتک وہ اُنکے اُصول سے مطابقت رکھتے تھے پہلو بہ پہلو رہنے کی سعی کی۔ مگر کبیر رسمیات دینی اور ضوابط مذہبی سے بالکل الگ چلے۔ اُن کے مذہب میں سادگی ہی سادگی تھی۔ اُن کا قول خدا کا عشق نامتناہی اور طریق نجات عبادۃ الٰہی تھا۔

اُن کی سوانح عمری ایک مخفی اسرار ہے۔ ہم اُن کے دوران زندگی کے حالات سے بالکل واقف نہیں ہیں۔ البتہ اُنکی تعلیمات کا مجموعہ اکثر کتابوں میں پایا جاتا ہے جو نہایت سلیس اور عام فہم عبارۃ میں لکھی گئی ہیں۔ اُنکے مقبول اشعار سرحد بنگال سے لیکر پنجاب تک اب بھی لوگوں کی زبانو پر ہیں۔ گو اُنکی زندگی کے سوانح صفحۂ روزگار سے مٹ گئے مگر اُنکا موثر عاشقانہ اور نصیحت آمیز کلام لوگوں کے دلوں میں ایسا رچ گیا ہے کہ قیامت تک فراموش نہیں ہو سکتا۔

مشہور ہے کہ وہ ایک برہمن کی بیوہ لڑکی کے بطن سے پیدا ہوئے جسنے اس

خوف سے کہ کہیں اس کا راز سربستہ فاش نہ ہو جائے اُنھیں کسی جنگل میں ڈال دیا اُسوقت نوری جولاہا اور اُسکی بیوی کسی پاس کے گاؤں میں مہمان جاتے تھے ان میاں بیوی نے اس معصوم بچہ کو جنگل میں بلکتا ہوا دیکھکر ترس کھایا اور اپنے گھر لاکر اپنی اولاد بناکر پالا پوسا۔

رامانند کے مرید ہونیسے پہلے ہمکو کبیر کے حالات معلوم نہیں۔ لڑکپن ہی سے مذہب کا سودا اُن کے سر میں بھرا تھا۔ گو سوتیلے باپ نے اُنکی شادی بھی کر دی تھی مگر اُنھیں نہ کچھ گھر سے لگاؤ تھا نہ بیوی بچوں کی محبت تھی۔ وہ متبرک شہر بنارس میں چکر لگایا کرتے تھے۔ ایک دن اُنھیں گھر کو پلٹنے کا خیال نہ رہا اور رات کو دریائے گنگا کے کسی گھاٹ کی سیڑھیوں پر پڑکر سو رہے۔

جب کبیر گنگا کے گھاٹ پر سو رہے تھے رامانند جو مشہور واعظ و عابد تھے اشنان کے لئے وہاں تشریف لائے ابھی روز روشن نہوا تھا۔ اندھیرے میں اُنھیں کچھ معلوم نہوا اور اُنکا پاؤں کبیر کی چھاتی پر جا پڑا۔ جونہیں اُنھیں انسانی جسم محسوس ہوا اُنکے مُنھہ سے بیساختہ نکلا "رام رام"۔ کبیر کلبلا کر اُٹھ بیٹھے اور کہنے لگے "آخر کار میں نے اُسے پالیا۔

رامانند کبیر کے بشرہ سے کچھ آثار سعادت دیکھکر اُنھیں اپنے مٹھ میں لے آئے اور وہ اسی روز باضابطہ رامانند کے مذہب میں داخل ہو گئے۔ مگر ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کب تک اپنے گروہ کی اطاعت و پیروی میں ثابت قدم رہے۔ غالباً مرشد

کی وفات کے بعد اُنھوں نے اپنے مذہب کی وعظ و تلقین شروع کی اصلیت خواہ کچھ ہی ہو مگر کبیر تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے مرشد سے بڑھ گئے اور ان کا مذہب ہندو کے مذاہب موجودہ کے مقابلہ میں بہت طاقتور ثابت ہوا۔

اُنھوں نے حیات مستعار کا بقیہ زمانہ مذہبی وعظ و تلقین میں گزارا مگر اُنکے وعظ کہنے کا طریقہ سب سے نرالا تھا۔ وہ وعظ نہیں دیتے تھے بلکہ اپنا مذہب عام فہم نظم میں گا گا کر سُناتے تھے۔ اُن کی تمام تعلیمات گیتوں اور کبتوں میں بیان کی گئی ہیں۔ وہ کسی کو اپنا مذہب اختیار کرنے کی ترغیب نہیں دیتے تھے۔ ہاں ملک میں معرفت الٰہی کے گیت گاتے پھرتے تھے جنھیں مذہبی قیود اور رسوم کو بدعت ٹھیرایا تھا۔ اُنکی نہ کوئی ذات و قوم و ملت تھی۔ نہ وہ کوئی بت یا علم الاصنام (دیومالا) رکھتے تھے۔ وہ صاحب باطن اور عشق الٰہی کا راگ گانیوالے تھے۔ اُنھوں نے مسئلہ صلح کُل تعلیم کر کے بکمال جرأت کُل مذاہب کو غیر ضروری ثابت کیا۔ اُنکی ملت عشق الٰہی تھی یعنی قدرت کاملہ کا عشق اور قدرتی عشق سے قدرتی اشیاء کا عشق اور قدرتی اشیاء کے عشق سے مالک قدرت کاملہ کا عشق۔

کبیر کی لوگ بہت سی کہانیاں اور روایتیں بیان کرتے ہیں مگر اُنمیں سے بیشتر اُنکے مداحوں کی ایجاد کی ہوئی ہیں۔ ہاں ایک روایت کُل تذکرہ نویسوں نے نقل کی ہے لہذا ہم اُسے نیک چلنی کی اعلیٰ نظیر سمجھکر یہاں درج کرتے ہیں۔

کبیر اور اُن کی بیوی لوئی شہر کے باہر ایک کھوہ میں رہتے اور جو زاہد و عابد

اُن کے ہاں مہمان جاتے اُنھیں کھانا کھلایا کرتے تھے مگر کبیر خود بھی گداگر تھے اور اکثر و بیشتر ضرورت کیوقت دریوزہ گری سے اپنی حاجت پوری کرتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے اُنکے پاس کچھ بھی نہ تھا اور بیس[۲۰] پچیس[۲۵] بھوکے فقیر اُن کے دروازہ پر آگئے۔ اُسوقت اُنھیں انتہا کی تنگ مزاجی اور پریشانی تھی اُنکی نیکدل بیوی اُنکی تیوری پر بل دیکھکر دریافت کرنے لگی اور کبیر نے اپنی پریشانی کا حال کہا تو میاں بیوی میں یوں مکالمہ ہونے لگا۔

لوئی (کبیر کی بیوی) پیارے شوہر۔ تم مجھے اجازت دو تو میں فلاں ساہوکار کے بیٹے سے کچھ روپیہ لے آؤں۔

کبیر - یہ کیوں کر ممکن ہی؟ اُسکا باپ تو بڑا کنجوس ہی۔ وہ ہمیں روپیہ کیوں دینے لگا۔

لوئی - بیشک یہ سچ ہے مگر وہ مجھپر ہزار جان سے عاشق ہے۔ میری محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ اُسنے ایک مرتبہ مجھے کچھ روپیہ دینے کہا تھا۔ اب میں اُس سے طلب کرونگی تو تھوڑا بہت دیہی نکلے گا۔ دیکھو میں آج کس تدبیر سے اُس سے رقم اینٹھتی ہوں اور مونڈی کاٹے کو محبت جتانیکی کیسی سزا دیتی ہوں۔

کبیر (خوش ہوکر) اہو ہو ہو۔ یہ تدبیر تو خوب نکالی۔ اچھا اب تم جلد جاؤ اور کچھ روپیہ لے آؤ۔ دیکھو دروازے پر کتنے آدمی بھوکے بیٹھے ہیں۔ روپیہ لیجائے تو اُنکے کھانے پینے کا کچھ بندوبست کیا جائے۔

لونی چلی اور چلکر ساہوکار کے نوجوان بیٹے کے گھر پہنچی۔ رات کے ملنے کا وعدہ کرتے ہی نوجوان نے لونی کو جسقدر روپیہ اُس نے طلب کیا دیدیا وہ روپیہ لیکر گھر آئی اور کبیر نے فقیروں کی بڑے اہتمام سے دعوت کی۔

دن کھانا کھلانے میں گزرا۔ آفتاب نے چادر شب میں چہرہ چھپایا اور اور سارے عالم میں اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا۔ یہ موسم برسات کی رات تھی مینھ جھم جھم برس رہا تھا اور پوربائی ہوا کے تیز و تند جھوکوں نے زمین میں زلزلہ ڈال رکھا تھا۔ بجلی کا بار بار چمکنا ہر گلی و کوچہ میں کمر کمر پانی کا بہنا پرنالوں کا دہائیں دہائیں کرنا۔ اولتیوں کا لگا تار ٹپکنا۔ مینھ کا برسنا۔ انگنائیوں کا ڈوبا ہونا ایک چشم زدن کے لئے دکھا جاتا اور پھر اندھیرا گھپ ہو جاتا۔ اس ڈراونی وحشت خیز رات اور طوفان برق و باد میں کبیر اپنی پیاری بیوی کو سر سے پاؤں تک کمبل اُڑھا اور کاندھے پر چڑھا کر اُس شہوت پرست نوجوان کے مکان پر پہنچے۔ بیوی کو اندر بھیجدیا اور خود دروازے کے قریب ٹھہر کر اُسکی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ اُدھر تماشبین نوجوان کو اُس رات اپنی معشوقہ کی ملاقات سے قطعی یاس ہو چکی تھی۔ مگر جب اس موہنی سورت عابد کش شعلہ جوالہ کو اپنے کمرہ میں کھڑا دیکھا تو سخت متحیر ہوا اور تل دھار اور موسلا دھار برستے ہوئے مینھ میں لونی کا بدن ذرا بھی بھیگا نہ پایا تو اُسکا تعجب اور بھی بڑھ گیا۔

نوجوان (ساہوکار کا لڑکا) میری جان مجھے تو امید نہ تھی کہ آج کی رات تم آؤ گی۔ بھلا ایسے مینھ برستے میں یہانتک کیونکر آئیں میں دیکھتا ہوں نہ تمہارا جسم بھیگا ہے نہ پاؤں کیچڑ میں بھرے ہیں۔ واہ یہ تو اچھا اعجاز کیا۔

لوئی۔ جناب میرے میاں مجھے لپیٹے کاندھے پر چڑھا کر یہاں لائے ہیں۔

نوجوان (سخت متحیر ہوکر) تمہارے میاں! تمہارے شوہر!! کیا تمہارے شوہر تمہیں میرے پاس لائے ہیں!!!

یہ کہکر وہ لوئی کے قدموں پر گر پڑا۔ کہا تم آج سے میری ماں ہوئیں اور فوراً دروازہ کیطرف دوڑ کر کبیر کے قدم لیے۔ اس کے آگے صرف اسیقدر بیان کرنا کافی ہے کہ ساہوکار کا لڑکا اُسیوقت سے کبیر کا دل سے معتقد اور پیرو ہوگیا۔

زہد و عبادت کی زندگی کے بعد کبیر نے مگر میں انتقال فرمایا۔ اُنکو خدا کا فرزند کہنا بجا ہے۔ وہ ایک قوم یا ایک مذہب نہ رکھتے تھے۔ اُن کا گھر دُنیا۔ اُنکے بھائی بند بنی نوع انسان اور اُن کا باپ خالق ارض و سما تھا۔ اسلئے اُنکی وفات کے بعد ہندو مسلمانوں میں اُن کی تجہیز و تکفین پر بڑا تنازع ہوا۔ کبیر کی مذہبی جماعت کے بڑے ہونے کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ دو مخالف مذہبوں کے فریق جبدن سے پنجاب کی سرزمین پر ملے ایک دوسرے میں باہم تقیض چلی آتی تھی انمیں سے ہر ایک کبیر کی نعش کو اپنے پیشوا کی

نعش تباتا تھا۔

کہتے ہیں کہ کبیر کی میئت پر ہندو مسلمانوں میں جنگ عظیم ہو جاتی۔ ایکطرف راجہ بنارس ہندوؤں کا ٹڈی دل لئے ہوئے اُنکی نعش کو جلانے پر آمادہ۔ دوسریطرف بزلی خان مسلمانوں کے جمِ غفیر کیساتھ نعش مذکور کو دفن کرنیکے لئے کمر بستہ مگر عین اس نازک وقت میں کبیر کی پاک روح نے ظاہر ہوکر ہندو مسلمانوں سے نعش پر سے کفن اُتارنیکو کہا۔ کفن اُٹھاتے ہی اُسکے نیچے ایک ڈھیر پھولوں کا نکلا جسے دیکھکر سبکو حیرت ہوگئی۔

نصف پھول لیکر راجہ بنارس نے دریائے گنگا کے متبرک کنارے پر جلائے اور خاکستر پر ایک مٹھ بنوا دیا جو کبیر چوڑا کے نام سے مشہور ہے۔ اور کبیر پنتھیوں کی جاترا کا مقام ہے۔ دوسرا نصف حصہ پھولوں کا بزلی خان نے لیا اور مگہر میں جہاں کبیر نے وفات پائی تھی دفن کرکے اُسپر ایک عظیم الشان مقبرہ تعمیر کرایا جو ابتک مسلمانوں کا متبرک زیارتگاہ ہے۔ تاریخ عالم میں ہم ایسے برگزیدہ بزرگ کی نظیر نہیں پاتے جسے دو مختلف مذہبوں کے فرقوں نے اسطرح اُلوہیت کا مرتبہ دیا ہو۔ عرفی شیرازی نے کیا خوب کہا ہے۔

چناں با نیک و بد عرفی بسر کن کز پس از مردن
مسلمانت بزمزم شوید و ہندو بسوزانند

اب ہم کبیر کی مدح ایک کر لیتے ہیں جنسے اخلاقی نتیجے نکلتے ہیں ناظرین کی

ضیافت طبع کے لئے درج ذیل کرکے کتاب ہذا کا پہلا حصہ ختم کرتے ہیں۔

(۱) تسبیح کا دانہ دانہ شمار کرکے عمر گزار دی مگر دل کی غلطت دور نہوئی اسلئے تسبیح کے دانے شمار کرنیسے صفائی قلب پیدا کرنا بہتر ہے۔

(۲) اگر دو من چھپڑے گدڑی لاد کر ہر دوار پہنچے اور مختلف متبرک مقامات کی جاترا کی۔ مگر جبتک دل عشق الٰہی سے روشن نہ ہو جاترا کرنا لاحاصل ہی۔ کعبہ جاکر سجدہ کیا مگر جبتک مکر و زور دور ہوکر دلمیں عشق الٰہی پیدا نہو حج کا کچھ ثواب نہیں ملتا اگر گلستاں بوستاں پڑھکر سعدی کا مطلب نہ سمجھا تو ایسے علم وفضل سی کیا فائدہ ہوا

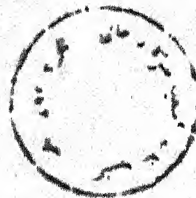
(۳) میں اپنے محبوب (خدا) کے کلام کا عاشق ہوں۔ اسکے سوا اور کسی طرح میرے دل کو تسکین نہیں ہوسکتی۔ اگر مچھلی کو پکڑ کر سونے کے گہوارہ میں رکھیں اور آب حیات اُسے پلائیں تاہم یقیناً وہ تھوڑی دیر میں مرجائیگی۔

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

پس جسکے دلمیں عشق الٰہی پیدا ہوگیا ہو وہی خدا کو پاسکتا ہے۔

تمت بالخیر





انجمن ترقی اُردو کی مجوّزہ و پسند کردہ کتابیں

اس انجمن کے ذریعہ سے ابتک سات کتابیں حسب تفصیل ذیل طبع ہوئی ہیں، اور اُن کو اعلےٰ پیمانے پر نہایت اہتمام و صرف کثیر سے طبع کرایا گیا ہی، اُن کتابوں سے اُردو لٹریچر میں نہایت مفید اضافہ ہوا ہی اور آج کل کی ضرورت اور مذاق کے موافق ہیں۔

۱ **فلسفہ تعلیم** - یعنی حکیم ہربرٹ اسپنسر کی مشہور کتاب **ایجوکیشن** کا اُردو ترجمہ جس کو مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب پانی پتی نے نہایت خوبی کے ساتھ انگریزی سے ترجمہ کیا ہی، طبع جدید - بار دوم - مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ کاغذ ولایتی - بلا جلد ... ... عہ

۲ **رہنمایانِ ہند** - یہ کتاب ایک انگریزی رسالہ موسومہ **پروفٹس آف انڈیا** مؤلفہ بابو **ششی بھوشن دت** - ایم - اے - ایم - آر - اے - ایس - رکٹر لیشپ اکیڈمی کلکتہ کا اُردو ترجمہ ہی جسکو انجمن ترقی اُردو کی پسند اور خواہش کے موافق با قدر حق ترجمہ طبع کیا گیا ہی، ترجمہ کی خوبی کی بابتہ صرف اسقدر کہنا کافی ہی کہ کسی انگریزی کتاب کا اس سے بہتر اُردو ترجمہ ہونا مشکل ہی، تقطیع ۲۰×۲۶ کاغذ سفید ولایتی طبع دوم ... ... عمر

۳ **مصباح القواعد** - مدت سے ایک ایسی کتاب کی سخت ضرورت تھی جو اُردو زبان کے قواعد صرف و نحو پر جامع و مکمل ہو، مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندہری نے اس ضرورت کو پورا کردیا۔ اس کتاب کے متعلق بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہی کہ جتنی کتابیں اب تک صرف و نحو اُردو پر لکھی گئی ہیں، یہ اُن سب سے بہتر اور جامع ہی۔ ولایتی کاغذ پر نہایت خوشخط مفید عام پریس آگرہ میں طبع کرایا ہے، پبلک نے اس کتاب کی بہت قدر کی ہی۔ طبع دوم ... ... عہ

۴ **نپولین اعظم** - نپولین اعظم شہنشاہِ فرانس کے نام نامی سے ساری دنیا واقف ہی، ہمکو زیادہ معرفی کی ضرورت نہیں، یہ وہ شہنشاہ ہے جس نے ایک بڑے حصہ یورپ کو اپنا تابع فرمان بنالیا تھا اور یورپ کی بڑی سے بڑی طاقتوں کو ہلا دیا تھا۔ اس شہنشاہ کے عموماً اوصاف مافوق العادات تھے۔ ایسے منفرد انسان کے حالات زندگی کا مطالعہ علاوہ اُن بیش بہا تاریخی معلومات کے جو اواخر اٹھارویں صدی اور اوائل انیسویں صدی کے متعلق اس سے حاصل ہوتی ہیں بہت سے صفاتِ انسانی کا عمدہ نمونہ پڑھنے والے کے سامنے پیش کرتا ہی۔ اور اس کو معلوم ہوتا ہی کہ انسان اپنی خداداد قابلیت سے کس درجہ کو پہونچ سکتا ہی۔ اور کل من علیہا فان پر اُس کا خاتمہ ہوتا ہی۔ نپولین اعظم کی سب سے بہتر سوانح عمری انگریزی زبان میں ایبٹ صاحب نے لکھی ہے، جسکا اُردو ترجمہ مولوی سید معین الدین صاحب شاہجہانپوری اسسٹنٹ ماسٹر ہیلی ہیت نے کیا ہی، اور انجمن ترقی اُردو کی پسند اور تجویز سے کالج بک ڈپو نے بہ ادائے حق ترجمہ اس کو پانچ جلدوں میں ولایتی کاغذ پر خوشخط طبع کرا کر شائع کیا ہی۔ نپولین اعظم کا اصلی فوٹو جلد اول کے شروع میں اور اس زمانے کے یورپ کا نقشہ آخر میں لگایا گیا ہی۔ پانچوں جلدوں کی قیمت علحدہ علحدہ حسب ذیل مبلغ ۱۲ ہی۔ لیکن یکمشت نقد خریداری کی حالت میں (علاوہ محصول) مبلغ ۱۰ میں دی جائیں گی۔ اس رعایتی قیمت کی حالت میں پھر کمیشن نہیں دیا جائیگا۔

جلد اول - (۴۶۴ صفحات بلا جلد) ... عہ

جلد دوم (۴۰۴ صفحات بلا جلد)
جلد سوم (۶۵۲ " " ")
جلد چہارم (۴۳۰ " " ")
جلد پنجم (۴۶۲ " " ")

۵ **القول الاظہر** - ترجمہ الفوز الاصغر۔ تصنیف الشیخ الامام حکیم ابو علی احمد معروف بابن مسکویہ اس میں مصنف نے جو حکماء اسلام میں بہت بلند پایہ رکھتا تھا اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں اپنے وقت کا امام تھا تین مسئلے بیان کئے ہیں **اول**۔ صانع عالم کا ثبوت نہایت فلسفیانہ دلائل سے **دوسرا** مسئلہ النفس اور اس کے ادراکات کے بیان میں، اور **تیسرا**۔ اثبات نبوت میں ہے۔ اس میں مسئلہ ارتقا جو داروین کی بیہودی کہی جاتی ہے پیدا موجود ہے۔ غرضکہ یہ عجیب و غریب کتاب فلسفہ یونان کے قواعد اور اصول پر لکھی گئی ہے، اور ان قواعد کو مذہب اسلام کے ساتھ منطبق کیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ اعتقادات مذہبی کو مضبوط کرتا ہے۔ اور شکوک رفع کرتا ہے۔ مفید عام پریس آگرہ میں سفید کاغذ پر خوشخط طبع کرا کر شائع کیا ہے۔ صفحات کتاب ہذا (۱۸۴) بلا جلد ۱۲/

۶ **القمر** - یہ کتاب تین ابواب پر منقسم ہے اور ان میں موافق علم ہیئت علم ریاضی مفصلہ ذیل مضامین درج ہیں جو مختصراً اس جگہ لکھے جاتے ہیں۔

باب اول۔ حرکت کی تعریف، قانون حرکت اور اسکی مزاحمت، زمین کی قوت جاذبہ کا ثبوت، اشیائے مادی کا زمین پر ایک چال سے گرنا، ثقیل قوی کی مزاحمت، پتھر وغیرہ کے زمین پر سیدھے گرنے کا سبب، قمر کی گردش کے اسباب، قمر کی گردش کرنیکا سبب، قمر کا زمین پر آگرنا محال عقلی ہے، مدار بیضاوی کے سبب سے قمر کا زمین کے قریب آنا اور پھر ہٹ جانا اور سیاروں کی حرکت آزادانہ کا بیان وغیرہ وغیرہ۔

باب دوم۔ نظام شمسی کا مفہوم، سیاروں کی چال کا بیان اور ان کے جسمی حالات، زہرہ کا قرص آفتاب کے قریب ہو کر گذرنیکا بیان، دُمدار ستاروں کی حقیقت، تاریخی واقعات اور ان کے ظہور کی پیشین گوئی کا صحیح ہونا فضائے آسمان کے ایتھر سے مملو ہونے کا ثبوت، تمام عالم کے درہم برہم ہونے کی دلیل، شہاب ثاقب کی حقیقت، تکوین عالم کا بیان، وغیرہ وغیرہ۔

باب سوم۔ چاند کی جسامت اور اسکی حرکتوں کا بیان، دو زمین کی قوت کا تذکرہ، چاند کا منظر، حرارت و نور کے منعکس ہونے پر بحث، چاندنی کے سرد ہونے کی وجہ، چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کا بیان، مقدمہ خسوف و چاند گہن کا بیان، مقدمہ کسوف اور اس کے اقسام کا بیان، مصنفہ مولوی سید رحمت حسین صاحب بی۔ اے۔ ۱۲/

۷ **امراء ہنود** - اس قابل دید کتاب میں ان ہندو امرا کے حالات جو سلطنت مغلیہ میں ممتاز عہدوں پر سرفراز تھے یعنی اکبری عہد کے ہندو علماء وزرا، جہانگیری عہد کے ہندو اکابر و مشاہیر، شاہجہانی عہد کے ہندو علماء و عہدہ داران، اور عالمگیری عہد کے ہندو علما و امرا کے مفصل حالات، نامی پریس کانپور میں تین قسم کے کاغذ پر نہایت خوشخط طبع کرایا ہے۔

قسم اول۔ اعلیٰ درجہ کے ایوری فنشڈ کاغذ پر مع خوبصورت سنہرے ٹائیٹل پیج کے قیمت بلا جلد ۱۲/

قسم دوم۔ ولایتی سفید کاغذ پر " " " " " " " ۱۲/

قسم سوم۔ جرمنی سفید کاغذ پر " " " " " " " ۱۲/